دسمبر ۱۹۹۴ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

- "خلافت" کی جانب رجوع اور اس کی حقیقت
  تحریر: ڈاکٹر اسرار احمد
- نظریہ انقلاب پر مخاطبین کا طرزِ عمل
  (انسانی تاریخ و جبلت کی روشنی میں) ابو عبید مہرانی

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی

رفقاء تنظیم اسلامی کے لئے خصوصی تربیت گاہ

(برائے مسائل حکمت)

از ۲۳ تا ۲۷ دسمبر ۱۹۹۴ء

تنظیم اسلامی کے مرکزی شعبہ تربیت کے زیر اہتمام ایک خصوصی تربیت گاہ "برائے مسائل حکمت" ۲۳ تا ۲۷ دسمبر لاہور میں منعقد ہوگی' ان شاء اللہ۔ اس تربیت گاہ میں شرکت بذریعہ درخواست داخلہ ہوگی۔ جن رفقاء کی درخواست مرکز کی طرف سے منظور کی جائے گی صرف وہی اس میں شرکت کے مجاز ہوں گے۔ اس تربیت گاہ میں درج ذیل اہم موضوعات زیر بحث آئیں گے :

☆ حقیقت انسان ☆ فکر اقبال' اتفاق و اختلاف

☆ حقیقت وحی ☆ فلسفہ وجود اور اس کی مختلف تعبیرات

☆ مقام صدیقیت اور ☆ حقیقت تصوف وغیرہ

ایسے رفقاء جو قرآن حکیم کے پورے منتخب نصاب سے گزر چکے ہوں یا جو دورۂ ترجمہ القرآن مکمل کر چکے ہوں' نیز وہ ملتزم رفقاء جنہیں ان مسائل سے خصوصی دلچسپی ہو' اس تربیت گاہ میں شرکت کیلئے درخواست دے سکتے ہیں۔ درخواست سادہ کاغذ پر مرکزی دفتر میں ۱۲ دسمبر تک موصول ہو جانی چاہئے۔ درخواست کی منظوری/نامنظوری کی اطلاع ان شاء اللہ بذریعہ ڈاک ۱۸ دسمبر تک کر دی جائے گی۔ درخواست میں جن باتوں کا ذکر ہو گا ان میں نام مع ولدیت' اسرہ/تنظیم سے تعلق اور ڈاک کا مکمل پتہ۔ فون نمبر (اگر کوئی ہو تو) کے علاوہ درج ذیل باتوں کا ذکر بھی ضرور کریں۔

۱) منتخب نصاب کا درس
۲) مکمل دورۂ ترجمہ القرآن میں شرکت
۳) کتنے عرصہ سے ملتزم رفیق ہیں
۴) کیا تنظیم میں کسی عہدہ پر فائز ہیں؟

نوٹ : (مرکزی ناظمین' ناظمین حلقہ جات اور امرائے تنظیم کی شرکت اس تربیت گاہ میں لازم ہوگی (ان حضرات کو درخواست دینے کی ضرورت نہیں)

المعلن : ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان' ۶۷۔اے' علامہ اقبال روڈ' لاہور

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد: ۴۳
شمارہ: ۱۲
رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
دسمبر ۱۹۹۴ء
فی شمارہ ۷/-
سالانہ زرتعاون ۷۰/-

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

برائے سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات اور بھارت	۴۵ سعودی ریال یا ۱۲ امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک جاپان وغیرہ۔	۱۶ امریکی ڈالر
شمالی و جنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ۔	۲۰ امریکی ڈالر
ایران، عراق، اومان، مسقط، ترکی، شام، اردن، بنگلہ دیش، مصر	۹ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰- فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱- داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی- فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشر: ناظم مکتبہ، مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

☆ عرض احوال ———— ۳

حافظ عاکف سعید

☆ تذکرہ و تبصرہ ———— ۵

"احیائی عمل کے مختلف گوشوں کا شعور ضروری ہے"

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ تفکر و تدبر ———— ۱۵

"خلافت" کی جانب رجوع اور اس کی حقیقت

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ نظریہ انقلاب پر مخاطبین کا ردعمل ———— ۲۳

انسانی تاریخ و جبلت کی روشنی میں

ابو عمیر مہرانی

☆ افکار و آراء ———— ۴۱

- علامہ اقبال کے ایک شعر کی تشریح
- شرعی پردہ... ایک قابل تقلید مثال
- ضرب مومن کے لئے شمشیر قرآنی کا استعمال ضروری ہے

☆ خطوط و نکات (رفقاء تنظیم اسلامی کے لئے چند لمحات فکریہ) ———— ۵۰

☆ رفتار کار ———— ۵۸

تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع کی رپورٹ اور بعض دیگر رپورٹیں

☆ مشاھدات و تاثرات (سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے) ———— ۷۱

☆ احوال و ظروف ———— ۷۵

امیر تنظیم اسلامی کے خطابات جمعہ کے پریس ریلیز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ احوال

تنظیم اسلامی کا انیسواں سالانہ اجتماع حسب پروگرام ۲۱ تا ۲۴ اکتوبر قرآن اکیڈمی لاہور میں منعقد ہوا۔ شرکاء کی تعداد' نظم و ضبط کے عمدہ مظاہرے اور حسن انتظام کو دیکھتے ہوئے یہ بات بجا طور پر کہی جا سکتی ہے کہ یہ اجتماع سابقہ تمام اجتماعات سے بہت بہتر تھا اور اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہو گا کہ بحمد اللہ ہمارے قدم آگے بڑھ رہے ہیں۔ یہ اجتماع' خصوصی اور عمومی اجتماعات کے امتزاج کا ایک حسین مرقع تھا۔ اجتماع کے پہلے ہی روز شام کے اوقات میں جلسہ خلافت اور خلافت ریلی کے پروگرام نہایت متاثر کن اور بھرپور تھے۔ تنظیم کی تاریخ میں سالانہ اجتماع کے ساتھ اس نوع کے پروگراموں کا انعقاد پہلا تجربہ تھا جو اللہ کے فضل و کرم سے نہایت کامیاب رہا۔ رفقاء کا ذوق و شوق اور جوش و خروش دیدنی تھا۔ اجتماع کے دوران نوجوان مقررین کی تقریریں بھی نہایت ولولہ انگیز تھیں اور یہ بات نہایت قابل اطمینان ہے کہ ان کا تصور دین اور انقلابی فکر جو صد فی صد قرآن و سنت سے مستعار ہے' صحت' توازن اور پختگی کے معیارات پر پورا اترتا تھا۔ فالحمدُ للہ علی ذٰلکَ!

عمومی نوعیت کا دوسرا پروگرام وہ تھا جس میں ان دینی جماعتوں کے قائدین اور سربراہان کو دعوت خطاب دی گئی تھی جو انتخابی سیاست سے کنارہ کش رہتے ہوئے پاکستان میں غلبہ و اقامت دین کے عظیم مشن کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ ان قائدین سے ہماری فرمائش یہ تھی کہ وہ اپنے اپنے منہج عمل کو واضح طور پر رفقائے تنظیم کے سامنے رکھیں تاکہ رفقاء کو ان کے خیالات کو سننے اور طریق کار کو جاننے کا موقع مل سکے۔ مقصود اس سے یہ تھا کہ رفقاء کے قلب و نظر میں وسعت پیدا ہو' وہ اپنے طریق کار پر بھی از سر نو غور کریں' دیگر جماعتوں کے طریق کار سے اس کا موازنہ کریں اور اس موازنے کی روشنی میں اگر اپنے طریق کار میں اصلاح اور بہتری کی گنجائش نظر آئے تو بلا جھجک اس اصلاح کو قبول کریں --- اور اگر یہ محسوس ہو کہ ہمارا اختیار کردہ طریقہ ہی دینی مزاج سے ہم آہنگ اور سنت و سیرت سے قریب تر ہے تو اس پر اللہ کا شکر بجا لائیں۔ الحمد للہ کہ اس پروگرام کے بہت اچھے اثرات محسوس کئے گئے۔ جن دینی جماعت کے قائدین نے تشریف لا کر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ان میں تنظیم الاخوان کے مولانا محمد اکرم اعوان' تحریک دعوت و ایثار کے حافظ محمد سعید' تحریک اسلامی انقلاب کراچی کے سید جمال الدین کاظمی اور

تحریک فہم قرآن کے میجر محمد امین منہاس کے علاوہ حزب التحریر کے قائدین میں سے جناب جمال رووڈاور جناب فرید قاسم بھی شامل تھے۔ یہ دونوں حضرات ہماری دعوت پر برطانیہ سے تشریف لائے تھے۔ اس سالانہ اجتماع اور اس کے پروگراموں کی مفصل روداد ندائے خلافت کے ۱۵/ دسمبر کے شمارے میں شائع ہو چکی ہے۔ تاہم زیر نظر شمارے میں بھی اس کی ایک مختصر رپورٹ شائع کی جاری ہے جسے تنظیم اسلامی پاکستان کے معتمد جناب چوہدری غلام محمد صاحب نے مرتب کیا ہے۔ علاوہ ازیں امیر تنظیم کا وہ مختصر تمہیدی خطاب بھی شامل اشاعت کیا گیا ہے جو انہوں نے اس قومی نشست کے آغاز میں ارشاد فرمایا تھا جس میں دوسری دینی جماعتوں کے قائدین کو مدعو کیا گیا تاکہ اس سے اس پروگرام کی اہمیت اور اس کے مقاصد پر وضاحت سے روشنی پڑتی ہے۔

☆ ☆ ☆

سالانہ اجتماع اور اس سے متعلق مصروفیات سے فراغت کے بعد وسط نومبر میں امیر تنظیم اسلامی نے اپنے دائیں گھٹنے کا آپریشن کروالیا ہے جو گزشتہ کئی ماہ سے موخر ہوتا چلا آرہا تھا۔ گزشتہ کئی سالوں سے گھٹنے میں مسلسل تکلیف کے باعث یہ قدم اٹھانا ناگزیر ہو گیا تھا۔ اللہ کا فضل و احسان ہے کہ یہ مرحلہ خیریت سے گزر گیا۔ اس کے بعد بمشکل چند دن آرام کے بعد امیر محترم کی مصروفیات ع "رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور" کے مصداق یکلخت پھر بہت بڑھ گئی ہیں۔ آپریشن کے ایک ہفتے بعد ہی کراچی کا سفر درپیش ہوا۔ کراچی کے تین روزہ دورے کے بعد لاہور میں صرف ایک دن قیام رہا اور وہ بھی ہفتے کی شام کے درس قرآن کے لئے، اور پھر سکردو کے دو روزہ دورے کے لئے روانگی ہو گئی جہاں آرمی آفیسر ز کے ایک تربیتی کیمپ سے خطاب کی پرزور دعوت موصول ہوئی تھی۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ امیر محترم کی صحت و سلامتی کے لئے خصوصی طور پر دعا کریں۔

☆ ☆ ☆

ملکی حالات کے بارے میں تنظیم اسلامی کے موقف اور امیر تنظیم کے تبصرے سے رفقاء و احباب کو آگاہ رکھنے کی خاطر ۴/ نومبر، ۱۱/ نومبر، اور ۱۸/ نومبر کے خطابات جمعہ کے پریس ریلیز زیر نظر شمارے میں شامل کر دیئے گئے ہیں جن سے ہمارے موقف کی صحیح صحیح عکاسی ہوتی ہے۔ ملاکنڈ میں نفاذ شریعت کی کوشش گزشتہ ماہ کا ایک اہم واقعہ تھا، اس پر امیر تنظیم اسلامی کا تبصرہ بھی ۴/ نومبر کے پریس ریلیز میں شامل ہے۔OO

"انقلابی تحریک کے کارکنوں کے لئے

احیائی عمل کے مختلف گوشوں کا شعور

ضروری ہے"

اواخر اکتوبر میں منعقد ہونے والے تنظیم اسلامی کے انیسویں سالانہ اجتماع کے موقع پر شام کی نشستوں میں ان مختلف دینی جماعتوں کے سربراہوں کو بھی دعوتِ خطاب دی گئی تھی' جو انتخابی سیاست سے کنارہ کش رہتے ہوئے غلبۂ دین کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ اسی موقع پر امیر تنظیم اسلامی نے اپنے تمہیدی کلمات میں اس نوع کی مجالس کی اہمیت اور ان کے انعقاد کے مقاصد پر نہایت عمدگی سے روشنی ڈالی۔ افادۂ عام کی خاطر امیر تنظیم کے ان تمہیدی کلمات کو ٹیپ کی ریل سے صفحہ قرطاس پر منتقل کرکے ہدیۂ قارئین کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

خطبۂ مسنونہ اور ادعیۂ ماثورہ کے بعد فرمایا :

مہمانانِ گرامی' رفقائے تنظیم اسلامی اور معزز اراکین! ہمارے آج کے اس اجلا
کی ایک خصوصی نوعیت ہے اور میں چاہتا ہوں کہ سب سے پہلے اس کی طرف آپ کی تو
مبذول کراؤں۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ تنظیم اسلامی کے انیسویں سالانہ اجتماع کا مو
ہے۔ اور یہ چیز عام روش کے خلاف ہے کہ کسی دینی تحریک یا جماعت کے اس طرح
سالانہ اجتماع میں جہاں اس کے ارکان اور کارکن جمع ہوں کچھ دوسرے اصحابِ فکر
اصحابِ دعوت کو خطاب کے لئے مدعو کیا جائے۔ لیکن بحمد اللہ کہ ہمارا یہ طرز عمل رہا
بلکہ اگر میں یہاں "ہمارا" کے بجائے "میرا" کا لفظ استعمال کروں تو زیادہ صحیح ہوگا۔ میں
جب سے لاہور میں اس اجتماعی کام کی داغ بیل ڈالی ہے اسی وقت سے میرا ذہن یہ رہا
اور اس کا ظہور مختلف صورتوں میں ہوتا رہا ہے' کہ ہمیں حتی الامکان کوشش کرنی چا
کہ ہم کسی ایک کنویں کے مینڈک بن کر نہ رہ جائیں کہ یہ سمجھ لیں کہ بس ہم ہی ہم ہیں
بلکہ پیش نظر یہ رہنا چاہئے کہ یہ امتِ مسلمہ بڑی وسیع و عریض ہے اور اس میں احیائی عم
کے بھی مختلف گوشے ہیں۔ ہمیں اس کا شعور ہونا چاہئے کہ کس کس گوشے میں کون کون

قوتیں برسرکار ہیں۔ اگرچہ انسان کا اپنا ایک تنقیدی اور ناقدانہ جائزہ بھی ہوتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ لاعلمی اور لاتعلقی کا نتیجہ تو جہالت ہے، اور وہ خود ان تحریکوں کے حق میں مضر ہے۔

ہم نے آج کے اس اجتماع کی تشہیر کے لئے جو ہینڈ بل تقسیم کیا ہے اس سے ہمارا ذہن پہلے ہی سامنے آچکا ہے، تاہم اس اجتماع کی جو افادیت میرے پیش نظر ہے میں اس کی طرف چند مزید اشارات کرنا چاہتا ہوں۔ اس کا ایک پہلو تو خارجی اور عوامی ہے، چنانچہ "ہینڈ بل" میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ عبارت کا آغاز ہی اس جملے سے ہوا تھا: "عوام کو شکایت ہے کہ مذہبی جماعتیں ایک پلیٹ فارم پر جمع نہیں ہوتیں"۔ اس تأثر کے ازالے کے لئے ہم اس نوعیت کے اجتماعات منعقد کر رہے ہیں۔ آپ کے علم میں ہے کہ ملکی و عوامی سطح پر عوام کو یہ شدید شکایت ہے، خاص طور پر انتخابات میں جب مذہبی جماعتیں ناکام ہوتی ہیں تو اس کے اسباب کے تجزیئے میں جو بات سب سے بڑھ کر سامنے آتی ہے وہ یہی ہوتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس تاثر کا ازالہ بھی احیائی عمل کے لئے بہت ضروری ہے۔ لوگوں کے سامنے یہ بات آنی چاہئے کہ ہم مل جل کر بیٹھ سکتے ہیں، ایک دوسرے کی بات سن سکتے ہیں، ہمارے مابین گفت و شنید اور افہام و تفہیم ہو سکتی ہے۔

یہ بات اپنی جگہ پر ایک خارجی مقصد کی حیثیت سے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ لیکن میرے نزدیک ایسے اجتماعات کا اصل مقصد داخلی ہے۔ تنظیم اسلامی کے حوالے سے میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ میرے رفقاء کو "Exposure" ملے اور دوسرا فکر بھی ان کے سامنے آئے۔ انہیں معلوم ہو کہ دوسرے لوگ کیا کہہ رہے ہیں، ان کا نقطۂ نظر کیا ہے، ان کا تجزیہ کیا ہے، امت کے امراض کے ضمن میں ان کی تشخیص کیا ہے اور وہ ان کا کیا علاج تجویز کرتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے ساتھیوں کو دائیں بائیں، آگے پیچھے دیکھ کر چلنا چاہئے۔ اس سے تین مقاصد حاصل ہوں گے۔

اولاً یہ کہ ان کے اپنے ذہن کو وسعت حاصل ہوگی۔ ہوتا یہ ہے کہ ہر داعی، ہر امیر اور ہر لیڈر اپنے کارکنوں کو دوسروں کے نقطۂ نظر سے آگاہ کرنا پسند نہیں کرتا، بلکہ وہ تو انہیں الٹا بچا بچا کر رکھتا ہے کہ میری یہ بھیڑیں کسی اور بھیڑیئے کی زد میں نہ آجائیں، ان کے

کانوں میں کوئی اور خیال نہ پڑ جائے، کوئی اور فکر ایسا نہ ہو جو انہیں اپنے فکر سے غیر مطمئن کر دے، حالانکہ میرے نزدیک اس کے لئے سب سے ہلکا لفظ "کم نظری" یا "Short-Sightedness" ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبال نے یہ لفظ استعمال کیا ہے ؎

"دلیلِ کم نظری قصۂ قدیم و جدید"

اگر ہمارے سامنے واقعتاً امت کی بہبود پیش نظر ہے، اسلام کا احیاء اور دنیا میں نظامِ خلافت کا دوبارہ قیام پیش نظر ہے تو ہمیں اپنے ذہنی افق کو وسیع تر کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں ہر چہار طرف اچھی طرح دیکھ بھال کر افہام و تفہیم کے ساتھ چلنا چاہئے۔

ثانیاً یہ کہ بہرحال اب نبوت کو ختم ہوئے چودہ سو برس ہو گئے ہیں، اب جو کوشش بھی ہے وہ اجتہادی ہے۔ واضح رہے کہ یہاں میں لفظ اجتہاد فقہی اصطلاح کے طور پر نہیں بول رہا ہوں۔ ظاہر بات ہے کہ ہر دور میں کچھ صاحبِ درد اشخاص اٹھتے ہیں۔ تو اپنے دل میں دین و ملت کا اور امت کا درد رکھنے والا ہر ایسا شخص سوچے گا، غور کرے گا تو کوئی تشخیص، کوئی تجویز پیش کرے گا، جیسا کہ علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں بڑے سادہ انداز میں امت کے مرض کی تشخیص بھی کی ہے اور اصلاح کے لئے نسخہ بھی تجویز کیا ہے۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

اسی طرح ان کے فارسی اشعار میں تجزیہ بھی ہے، تجویز بھی ہے۔

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی
شکوہ سنج گردشِ دوراں شدی
اے چو شبنم بر زمیں افتندۂ
در بغل داری کتابِ زندۂ

تو ہر صاحبِ درد جو بھی امت کا بہی خواہ ہے، دین اور ملت کا خیر خواہ ہے اور محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وفادار ہے اس کی اپنی تشخیص اور تجویز ہو گی۔ اور ظاہر بات ہے کہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے، جس میں غلطی کا امکان ہے۔ بڑے سے بڑا مجتہد یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میرا اجتہاد خطا سے پاک ہے۔ بلکہ اصول یہ ہے کہ مجتہد اگر مصیب ہے یعنی صحیح رائے تک

پہنچ گیا ہے تو اسے دوہرا اجر ملے گا' لیکن اگر کسی مجتہد نے واقعتاً اجتہاد کی شرائط پوری کی ہوں اور اپنی پوری کوشش کے باوجود اس سے خطا ہو گئی ہو تب بھی اسے اکہرا ثواب تو ملے گا۔ چنانچہ ہم میں سے کسی کو بھی اس امکان کو کبھی "Rule-out" نہیں کرنا چاہئے کہ ہمارے فکر میں خامی ہو سکتی ہے' محدودیت ہو سکتی ہے' لہٰذا کسی طرف سے ہمیں غذا مل جائے تو وہ ہماری ضرورت ہے' جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ هُوَ اَحَقُّ بِهَا حَيْثُ وَجَدَهَا" یعنی "حکمت مومن کی گمشدہ متاع ہے' وہ اسے جہاں کہیں بھی پائے اس کا زیادہ حقدار ہے۔" اور اگر ہم اس سے اپنے کان بند کرلیں' آنکھیں بند کرلیں تو نقصان اپنا ہی کریں گے' کسی اور کا نہیں۔ بہرحال ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے فکر میں اگر کوئی کجی ہے' لائحہ عمل میں اگر کوئی غلطی ہے' تجزیہ و تشخیص میں ہم سے کوئی خطا ہو گئی ہے تو ہماری غلطی ہم پر واضح کی جائے۔ ہم ان حضرات کے ممنون ہوں گے جن کی توجہ دلانے کی وجہ سے ہم اپنی غلطیوں یا خامیوں سے متنبہ ہو جائیں اور ان کی اصلاح کر سکیں۔

ثالثاً یہ کہ بہت سے حضرات کو سننے کے باوجود بھی اگر ہمارے کارکن مطمئن ہوں اور اللہ کا شکر ادا کریں کہ ہماری بات صحیح ہے تو اس سے ان میں خود اعتمادی مزید بڑھے گی اور یہ خود اعتمادی ہمارے قدم آگے بڑھانے میں مد ہو گی۔

بہرحال یہ تین داخلی مقاصد ہیں' جبکہ خارجی مقصد' جیسا کہ میں نے عرض کیا' وہ یہ ہے کہ امت میں جو یہ تأثر عام ہے کہ مذہبی جماعتیں تفرقے کے شکار ہیں اس کو زائل کیا جائے اور یہ کہ ہم لوگ مل جل کر بیٹھیں اور ایک دوسرے کی بات تحمل کے ساتھ سنیں۔ اس ضمن میں میں توجہ دلانا چاہتا ہوں اور بہت سے حضرات اس سے واقف ہوں گے کہ میں نے اجتماعی سطح پر پہلے قدم کے طور پر جب ۱۹۷۲ء میں انجمن خدام القرآن قائم کی تو اگلے ہی سال یعنی ۷۳ء میں سالانہ قرآن کانفرنسوں کا آغاز کیا' جن کی سب سے نمایاں خصوصیت یہی تھی کہ دیوبندی' بریلوی' اہل حدیث غرض ہر مکتبِ فکر کے علماء کرام اور ان کے ساتھ کالجوں اور یونیورسٹیوں سے علومِ اسلامیہ کے ماہرین اور جدید دانشور حضرات کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا گیا۔ اور یہ منظر سالہا سال تک ہماری قرآن کانفرنسوں کے اندر

دیکھا گیا' حالانکہ اس کے سوا اگر یہ منظر کبھی نظر آیا ہو تو کسی سیاسی مہم کے اندر ہی ہو سکتا ہے جب مل جل کر کسی کی ٹانگ گھسیٹنی مقصود ہو۔ جیسا کہ ہمارے ہاں ایوب خان اور بھٹو کی ٹانگ گھسیٹنے کے لئے ہوا۔ ایسے مواقع پر تو ہماری مذہبی جماعتیں سیکولر قوتوں کے ساتھ بھی ایک پلیٹ فارم پر نظر آ سکتی ہیں' لیکن سب جانتے ہیں کہ کسی دینی کام میں اس طریقے سے ان مکاتبِ فکر کو کبھی جمع نہیں دیکھا گیا۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کر رہا ہوں کہ "یہ طرزِ خاص ہے ایجاد میری!" اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائی فَلِلّٰہِ الحَمۡدُ وَالمِنَّۃ۔

پھر خاص طور پر آج سے قریباً دس سال قبل تنظیم کے سالانہ اجتماع کے موقع پر میں نے مختلف مکاتیبِ فکر کے علماء کو جس طرح اپنا پلیٹ فارم مہیا کیا اس کی میری زندگی میں اور بہت سے لوگوں کے کہنے کے مطابق شاید تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ یہ مارچ ۸۵ء کی بات ہے جب تنظیم اسلامی کے "دس سالہ اجتماع" کے موقع پر ہم نے مسلسل چھ روز تک شام کے اوقات میں محاضراتِ قرآنی کا انعقاد کیا' جس کا موضوع "فرائضِ دینی کا جامع تصور" تھا۔ میرے نزدیک مسلمانوں کو ان کے دینی فرائض کے جامع تصور سے آگاہ کرنا بہت ہی اہم ہے۔ ہمیں ان میں یہ شعور پیدا کرنا چاہئے کہ ہمارے دینی فرائض صرف نماز روزہ تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ امربالمعروف اور نہی عن المنکر بھی فرض ہے' اقامتِ دین کی جدو جہد فرض ہے۔ بہرحال میں نے محاضرات کے انعقاد سے ایک ماہ قبل اس موضوع پر چھ صفحات پر مشتمل ایک نہایت مختصر تحریر (جو اَب "تعارفِ تنظیم اسلامی" نامی کتابچے میں شامل ہے) تقریباً ایک سو علماء کو اس درخواست کے ساتھ بھیجی کہ یہ میرے مطالعے کا حاصل ہے' اس میں آپ کو جو غلطی' خطا یا خامی محسوس ہو' محاضرات میں تشریف لا کر اس پر تنقید کیجئے اور اگر اس میں کوئی صواب کی بات ہے' صحیح اور درست بات ہے تو اس کی تائید کیجئے۔ چنانچہ یہ محاضرات چھ روز تک جاری رہے اور اس دوران میں اور تنظیم اسلامی کے رفقاء صرف سامع کی حیثیت سے موجود رہے۔ بعض ایسے حضرات بھی آئے جنہوں نے استہزاء کیا' خود میرے پلیٹ فارم سے' میری موجودگی میں' میرا مذاق اڑایا۔ لیکن میرے ساتھیوں نے ان سب کو پوری توجہ سے اور پورے تحمل سے سنا۔ مجال ہے کہ کوئی

آواز تک اٹھی ہو۔ اپنے لئے تو میں نے یہ طے کر لیا تھا کہ میں کوئی سوال بھی نہیں کروں گا' البتہ ساتھیوں کو اجازت تھی تو صرف سوال کرنے کی' اس سے زائد کسی بحث یا اختلاف کی اجازت نہیں تھی۔ انہیں یہ ہدایت تھی کہ یہ علماء کرام ہیں' اصحابِ قدر ہیں' اصحابِ علم ہیں' ان کی بات توجہ اور تحمل سے سنیں! ہاں اگر کسی کی کوئی بات سمجھ نہیں آئی ہے تو اس کے لئے خالصتاً استفہامی انداز میں سوال کریں۔ تو الحمد للہ چھ دن متواتر یہ کام ہوا ہے۔

آج بھی در حقیقت یہ اسی نوعیت کی ایک نشست ہے۔ البتہ اس کا "Format" یا "Scope" میں نے محدود کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اقامتِ دین یا نظامِ خلافت کے قیام کے لئے طریقہ کار کیا ہونا چاہئے! الحمد للہ امت کے معتد بہ طبقے میں اس کا شعور تو پیدا ہو چکا ہے کہ ہمارا دین صرف عبادات اور رسومات کا مجموعہ نہیں ہے' یہ پورا نظام زندگی ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اس کا نفاذ کیسے ہو "How to bell the cat?" اگر بلی کے گلے میں گھنٹی باندھ دی جائے چوہوں کے سارے مسئلے حل ہو جاتے ہیں' لیکن مسئلہ یہ ہے کہ باندھے کون؟ باندھی کیسے جائے؟۔ اس اعتبار سے ہم نے مختلف تحریکوں کے قائدین کو دعوت دی ہے۔ ویسے تو مفکرین بہت سے ہیں' لاکھ حکیم سربجیب' لیکن ہم نے دعوت انہی کو دی ہے جنہوں نے اس وادی میں کوئی عملی کام کیا ہے' اور کسی نہ کسی سطح پر کوئی نہ کوئی اجتماعی جدّوجہد شروع کی ہے' ورنہ اکھاڑوں کے کنارے بیٹھ کر داؤ پیچ بتانا بڑا آسان کام ہے۔ اسی طرح حکیمانہ انداز میں فلسفیانہ اور دانشورانہ گفتگو کرنا بھی آسان کام ہے۔ لہٰذا ایسے مفکرین سے دامن کش رہتے ہوئے ہم نے صرف ان اصحابِ فکر کو دعوت دی ہے جو اس عملی میدان میں اتر چکے ہیں اور کچھ نہ کچھ کام کر رہے ہیں' ان کا کام خواہ چھوٹا ہے یا بڑا ہے' محدود ہے یا وسیع ہے' اس سے ہمیں کوئی غرض نہیں۔

پھر ہم نے ان حضرات کو بھی زحمت نہیں دی جو انتخابی سیاست کے ذریعے تبدیلی لانے کے خواہاں ہیں' کیونکہ میرے نزدیک یہ دونوں راستے ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں۔ انقلاب کے تقاضے کچھ اور ہیں' اس کے لئے پہلے افراد چاہئیں' ان کی کردار سازی اور سیرت سازی ہونی چاہئے' پھر ایک مضبوط جماعت چاہئے' جبکہ الیکشن کے لئے صرف ووٹ چاہئیں' جن کے حصول کے لئے عوام کو دکھانے کے لئے سبز باغ چاہئیں' جھوٹے وعدوں

کے طومار چاہئیں۔ کسی الیکشن میٹنگ میں جو لوگ آئے ہوں آپ ان پر تنقید کی جرأت کر سکتے ہیں؟ ان سے تو آپ نے ووٹ مانگنا ہے۔ تو یوں سمجھ لیجئے کہ یہ بُعد المشرقین والا معاملہ ہے' بلکہ بُعد المشرقین میں تو صرف فاصلہ سامنے آتا ہے' یہاں تو سمتیں ہی متضاد قسم کی ہیں۔ لہٰذا ہم نے صرف ان حضرات کو دعوت دی ہے جو اس کے مدعی ہوں کہ ہم انقلابی سطح پر کام کر رہے ہیں اور ہمارے سامنے ایک لائحہ عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے پاکستان سے ان چار اداروں یا جماعتوں کے سربراہوں، کو دعوت دی ہے جو انتخابی سیاست سے الگ رہ کر کام کر رہی ہیں۔ ان میں ایک تنظیم "الاخوان" حال ہی میں منظرعام پر آئی ہے۔ اس کے امیر مولانا محمد اکرم اعوان صاحب ہیں' جو اس سے پہلے صرف سلسلۂ تصوف کے حوالے سے معروف تھے' لیکن اب انہوں نے "تنظیم الاخوان" کا سلسلہ شروع کیا ہے' جس کا نعرہ ہے "رب کی دھرتی رب کا نظام۔" وہ ہماری دعوت پر ان شاء اللہ کل تشریف لائیں گے۔ مولانا مفتی صاجزادہ سید جمال الدین کاظمی تشریف لا چکے ہیں' جو تحریک اسلامی انقلاب پاکستان کے امیر اور داعی ہیں۔ ان کی ایک دو کتابیں بھی میری نظر سے گزری ہیں اور ان کے بعض مضامین ہم نے میثاق میں بھی شائع کئے ہیں۔ معروف اعتبار سے اِس وقت دنیا میں ہمارے جو مسلکی عنوانات ہیں' ان کے اعتبار سے میں پورے یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتا' لیکن شاید معروف یہ ہے کہ بریلوی مکتب فکر کے علماء میں سے ہیں۔ تیسرے اس کے بالکل برعکس جو اہل حدیث مکتب فکر ہے ان میں مرکز الدعوۃ والارشاد والے حضرات وہ ہیں جو کہ جمعیت اہل حدیث یا جماعت اہل حدیث کے برعکس انتخابی سیاست میں ملوث نہیں ہیں' بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اسلامی انقلاب جہاد کے ذریعے آئے گا۔ ان کے قائد پروفیسر محمد سعید صاحب بھی ان شاء اللہ کل آئیں گے۔ آج کی نشست میں پاکستان سے ہمارے دوسرے مقرر دراصل میجر محمد امین منہاس تھے' جنہوں نے تحریک فہم القرآن شروع کی ہے۔ پہلے میرا ارادہ انہیں بلانے کا نہیں تھا' لیکن حال ہی میں مجھے معلوم ہوا کہ انہوں نے بھی ایک تنظیمی سلسلہ شروع کر دیا ہے اور وہ بیعت بھی لے رہے ہیں' گویا جو Criteria میں نے مقرر کیا تھا اس پر وہ پورے اترتے ہیں' لہٰذا ہم نے انہیں بھی دعوت دی ہے۔ افسوس یہ ہے کہ آج جس طیارے سے ان کی ریزرویشن تھی

وہ اس میں سوار نہیں ہو سکے' دوسری فلائٹ میں امید دلائی گئی لیکن جگہ نہیں ملی' پھر تیسری میں بھی جگہ نہیں ملی اور اب وہ سڑک کے راستے اسلام آباد سے روانہ ہو چکے ہیں اور اِس وقت کہیں راستے میں ہیں۔ بہرحال اگر وہ آج پہنچ گئے تو آج ورنہ کل ان شاء اللہ وہ بھی خطاب فرمائیں گے۔

ان کے علاوہ بیرون ملک سے ہم نے "حزب التحریر" کے اصحاب کو شرکت کی دعوت دی تھی' اور ہماری دعوت پر لبیک کہتے ہوئے وہاں سے چار حضرات تشریف لائے ہیں۔ آپ کے علم میں ہے کہ میں نے ابھی ڈھائی ماہ قبل ۷/اگست کو لندن میں حزب التحریر کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والی عالمی احیاءِ خلافت کانفرنس میں شرکت کی تھی۔ پاکستان واپسی پر میں نے اپنے دو خطاباتِ جمعہ میں حزب التحریر کے بارے میں اپنے تاثرات قدرے تفصیل سے بیان کئے تھے جو میثاق کے دو شماروں میں شائع بھی ہو گئے۔ ان میں مَیں نے جن تائیدی باتوں کا اظہار کیا وہ بھی آ چکی ہیں اور جو تنقیدی باتیں ہیں وہ بھی آ چکی ہیں۔ کل میں نے تقریباً ساڑھے چار ماہ بعد جنگ میں اپنا کالم اسی لئے شائع کروایا' کیونکہ یہ حضرات آ رہے ہیں تو بڑے پیمانے پر ان کا تعارف ہو جائے۔ اللہ کا شکر ہے کہ وہ شائع ہو گیا۔ لندن کی خلافت کانفرنس کی کچھ روداد اور تصویری جھلکیاں ندائے خلافت کے دو تین پرچوں میں شائع ہوتی رہیں۔ انہیں یکجا کر کے ندائے خلافت کی ایک خصوصی اشاعت کے طور پر بڑی جلدی سے تیار کیا گیا ہے' تاکہ آپ حضرات کے سامنے وہاں کا معاملہ بھی آ جائے۔ بہرحال ان حضرات کے تفصیلی تعارف کی ذمہ داری میں نے اپنے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد کی لگائی ہے جو اس سال بیرونی سفر میں میرے ساتھ تھے اور اس کانفرنس میں بھی شریک تھے' بلکہ وہ ان حضرات کے ساتھ اس پریس کانفرنس میں بھی موجود تھے جس کا فوٹو وہاں کے اخبارات میں چھپا ہے' اور ندائے خلافت کی اس خصوصی اشاعت میں بھی شائع کیا گیا ہے۔ یہ حضرات بھی تھے' فرید قاسم صاحب تھے' جمال ہاروڈ صاحب تھے' باقی جو حضرات تھے ان سب سے میں متعارف نہیں ہوں۔ ہمارے اِس اجتماع میں شرکت کے لئے چار حضرات کے یہ قافلہ انگلستان سے چل کر یہاں پہنچا ہے۔ میرے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا عطیہ ہے۔ میں توقع نہیں رکھتا تھا کہ یہ لوگ اتنی ہمت کریں گے' کیونکہ میں اپنی

یہ حیثیت سمجھتا ہوں نہ اپنی جماعت یا تحریک کا یہ مقام سمجھتا ہوں۔ بہرحال میں ان حضرات کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں "مَن لَم یَشکُرِ النَّاسَ لایَشکُرُ اللّٰہَ"۔ میرے انہی احساسات کو انگریزی الفاظ کا جامہ پہنا کر ان کی خدمت میں برادرِ عزیز ابصار احمد رکھ دیں گے۔

اب میں تین باتیں مقررین حضرات سے کہنا چاہتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جہاں تک اسلامی انقلاب یا نظامِ خلافت کی اہمیت' اس کی ضرورت اور اس کے لئے ترغیب و تشویق کا تعلق ہے اس پر وقت ضائع نہ کیا جائے' کیونکہ یہاں وہ لوگ جمع ہیں جو اس قافلے میں پہلے سے شریک ہیں' جنہوں نے اس منزل کو پہلے سے پالیا ہے' لہٰذا اگر اس پر وعظ کا رنگ چڑھا تو ہمارا وقت ضائع ہو گا' ہمیں Down to the ground بات کرنی چاہئے کہ اس کے لئے طریقہ کار کیا ہونا چاہئے۔ سارا زور اسی پر ہونا چاہئے اور ظاہر بات ہے کہ جب ہمارے لئے ہر اعتبار سے اسوہ حضور ﷺ ہیں تو ہمیں پھر وہیں سے استنباط کر کے دکھایئے کہ یہ طریقہ ہے! چنانچہ گفتگو کے دوران ساری توجہ اسی پر مرکوز رہنی چاہئے کہ طریقہ انقلاب کیا ہے۔ اسی کو ہم نے دعوت نامے میں شامل کیا تھا اور واضح کر دیا تھا۔

دوسری بات یہ کہ اپنی بات مثبت طور پر پیش کرنے کی کوشش فرمائیں' دوسرے مقررین پر تنقید اور جواب الجواب کے سلسلے کی ضرورت نہیں۔ ہر مقرر کو اپنی ہی بات وضاحت کے ساتھ کہنی چاہئے۔

تیسری بات یہ کہ اس پروگرام میں میری حیثیت صدر کی نہیں' میزبان کی ہے۔ میری بات' میرا فکر' میرا پیش کردہ طریق کار ان لوگوں کی اکثریت کے سامنے واضح ہے' لہٰذا اس نشست میں مَیں اپنے آپ کو مقررین کی فہرست میں بھی شامل نہیں کر رہا' بلکہ میں خود سامع ہوں' میں خود راہنمائی اور مشوروں کا محتاج ہوں۔ چنانچہ میں آپ حضرات کو سنوں گا۔ شاید کہیں ضرورت محسوس ہوئی تو کسی سوال کی جرأت بھی کر لوں۔ لیکن کوئی ایسا خیال نہ کیجئے کہ چونکہ صدر کے پاس ایک خاص استحقاق ہوتا ہے کہ آخر میں کھڑے ہو کر چاہے مقرر کے جذبات کی نفی کر دے اور صدر کی بات کا تو جواب بھی نہیں دیا جا سکتا۔ تو یہ "Hadicap" یہاں سرے سے نہیں ہو گا۔ اسی لئے میں نے یہ عرض کیا ہے کہ میری

حیثیت صدر کی نہیں ہے بلکہ صرف میزبان کی ہے۔

ان کے علاوہ آخری بات یہ کہ اس وقت ہمارا آڈیٹوریم کھچا کھچ بھر چکا ہے' اور وہ جو کہتے ہیں کہ تِل دھرنے کو جگہ نہ رہے بالفعل وہ صورت پیدا ہو چکی ہے' چنانچہ ہم نے برابر والے پلاٹ میں کلوز سرکٹ ٹی وی کا انتظام کر دیا ہے۔ اب جو لوگ آئیں گے وہ وہاں بیٹھ کر ہماری اِس دعوت میں شریک ہو سکیں گے۔ میں اپنی گفتگو کا اختتام اس دعا پر کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں خیر کی توفیق عطا فرمائے اور جس خیر کی توفیق عطا فرمائے اسے خالصتاً اپنی ہی توفیق سے شرفِ قبول بھی عطا فرمائے۔ اَقُول قَولی ھٰذا واستغفر اللّٰہ لی وَلکم وَلِسائر المُسلمین وَالمُسلمات OO

تنظیم اسلامی پاکستان کے زیر اہتمام
آئندہ دو ماہ کے لئے مجوزہ پروگرام

مبتدی / ملتزم تربیت گاہیں

1۔ مبتدی	16 تا 22 دسمبر 94ء	لاہور
2۔ مبتدی	6 تا 12 جنوری 95ء	کراچی
3۔ مبتدی	20 تا 26 جنوری 95ء	ملتان

(نوٹ : لاہور میں منعقد ہونے والی تربیت گاہوں میں حلقہ سرحد' پنجاب شمالی' آزاد کشمیر' گوجرانوالہ ڈویژن اور حلقہ لاہور کے رفقاء --- ملتان میں ہونے والی تربیت گاہوں میں حلقہ پنجاب جنوبی و پنجاب غربی کے رفقاء --- اور کراچی میں ہونے والی تربیت گاہوں میں حلقہ سندھ بلوچستان کے رفقاء شریک ہوں گے!)

خصوصی تربیت گاہ / اجتماع

خصوصی تربیت گاہ (برائے مسائل حکمت) 23 تا 27 دسمبر 94ء' لاہور

ڈاکٹر اسرار احمد

”خلافت“ کی جانب رجوع

اور اس کی حقیقت

جیسے کہ گزشتہ نشست میں عرض کیا جا چکا ہے' اگرچہ ویسے تو مغربی دنیا میں ”حزب التحریر“ کے عنوان کے تحت عرب آباد کاروں کی نوجوان نسل سے تعلق رکھنے والے بہت سے پُرجوش کارکنوں کے ذریعے ”خلافت“ کی منادی ایک عرصے سے جاری تھی اور اس میں کچھ عرصے سے پاک و ہند سے برآمد شدہ نوجوان خون کی حرارت بھی زور و شور کے ساتھ شامل ہو چکی تھی ---- تاہم ۷ / اگست ۹۴ء کے ویمبلے ایرینا لندن کے عظیم الشان جلسے اور اس کی عالمی ذرائع ابلاغ خصوصاً سی این این اور بی بی سی ٹیلیویژن کے ذریعے تشہیر نے تو فی الواقع اس ”اذانِ خلافت“ کو ستر برس بعد عالمی سطح پر بلند کر دیا ہے جس کے نتیجے میں بالعموم پورے عالمِ مغرب اور خاص طور پر دنیا بھر کے یہودیوں میں تشویش اور سراسیمگی کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے!

ادھر پوری اسلامی دنیا کے جس واحد ملک میں' ۱۹۲۴ء میں خلافت کی تنسیخ کے بعد ہی نہیں' بلکہ اس سے بھی بہت پہلے' جبکہ ابھی یورپی حکومتیں خلافتِ عثمانیہ کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے جال کا تانا بانا بن ہی رہی تھیں' زبردست احتجاجی تحریک چلی تھی' اس میں اگرچہ احیاءِ اسلام کی مساعی کا تسلسل تو برقرار رہا لیکن بدقسمتی سے کچھ عرصے سے ”خلافت“ کا عنوان کچھ دوسری اصطلاحات کے پردے میں چھپ گیا تھا۔ تاہم بحمد اللہ گزشتہ چند سالوں سے اس برِعظیم کے بھی کم از کم مشرقی اور مغربی کونوں میں اس کی ”ندا“ دوبارہ بلند ہو گئی ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اگرچہ اس صدی کے بالکل آغاز میں جب مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے "الہلال" جاری کیا (۱۹۱۲ء) اور "حزب اللہ" قائم کی (۱۹۱۳ء) تو اس کے اہم نکات دو ہی تھے: ایک "حکومتِ الٰہیہ" کا قیام (جو اصلاً نظامِ خلافت ہی کی تعبیر ہے!) اور دوسرے خلافتِ عثمانیہ اور حکومتِ ترکی کی حمایت' اور ان کے مقابل یورپی اتحادیوں بشمول حکومت انگلستان کی شدید مخالفت و مذمت! چنانچہ یہ اصلاً اسی مؤخرالذکر "جرم" کی پاداش تھی جو مولانا ابوالکلام آزاد کو ذاتی طور پر قید و بند کی سزاؤں اور اولاً "الہلال" کی ضمانتوں اور پریس کی ضبطی اور بالآخر اس کی بندش کی صورت میں ملتی رہی (جس کے نتیجے میں "الہلال" غروب اور "البلاغ" طلوع ہوا)---- پھر اس صدی کے دوسرے عشرے کے اواخر اور تیسرے عشرے کے اوائل میں جس عظیم احتجاج کا طوفان "تحریکِ خلافت" کے عنوان سے اٹھا اس کی تو کوئی دوسری نظیر نہ پورے عالمِ اسلام میں نظر آسکتی ہے' نہ خود برِعظیم پاک و ہند کی رواں صدی کی تاریخ میں! یہاں تک کہ اس وسیع و عریض خطۂ ارضی کا پورا طول و عرض۔

"بولیں اماں محمد علی کی
جان بیٹا خلافت پہ دیدو!"

اور۔

"ساتھ ہیں تیرے شوکت علی بھی
جان بیٹا خلافت پہ دے دو!"

کے ترانے سے گونج اٹھا تھا۔ اور چشمِ فلک نے یہ تماشا بھی دیکھ لیا تھا کہ "خلافت" کی تحریک میں ہندو قوم اپنے عظیم قائد اور رہنما موہن داس کرم چند گاندھی سمیت شامل ہونے پر مجبور ہو گئی تھی! یہ دوسری بات ہے کہ اس سے ان کے پیش نظر مقصد یہ تھا کہ مسلمانانِ ہند کے دل جیت کر انہیں متحدہ ہندوستانی قومیت کے دامِ ہمرنگِ زمین میں کس لیا جائے-- اور یہ یقیناً "وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۚ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ"

(سورۂ آل عمران : آیت ۵۴) یعنی :"اور انہوں نے اپنی سی چالیں چلیں تو اللہ نے بھی اپنی تدبیر فرمائی۔ اور اللہ تو سب سے بہتر تدبیر فرمانے والا ہے ہی!" کے ابدی قانون کا ہی مظہر تھا کہ یہ جذبۂ حریت اکھنڈ بھارت کی بجائے تقسیمِ ہند اور قیامِ پاکستان پر منتج ہو گیا۔

چنانچہ مسلم انڈیا کی حالیہ تاریخ سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ تحریکِ پاکستان کو جو محیّر العقول کامیابی حاصل ہوئی اس کے اسباب میں اس عامل کو بھی فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے کہ یہ تحریکِ خلافت ہی کا جذبہ تھا جسے صرف ایک نئے عنوان کی ضرورت تھی جو مفکر و مصورِ پاکستان علامہ اقبال نے بایں طور پوری فرمادی کہ ایک جانب مصطفیٰ کمال پاشا کا "مرثیہ" کہا کہ ۔

"چاک کر دی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ ' اوروں کی عیّاری بھی دیکھ!"

اور دوسری جانب امّتِ مسلمہ بالخصوص مسلمانانِ ہند کو للکارا کہ ۔

"تا خلافت کی بِنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر!"

تاہم اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مسلم انڈیا کے خالص احیائی افق پر رواں صدی کے وسطی زمانے کے دوران یا تو کچھ ایسی خالص قرآنی اصطلاحات کا سکہ رواں رہا جو ٹھیٹھ علمی اعتبار سے تو یقیناً صحیح ترین بھی تھیں اور حقیقتِ دین سے قریب ترین بھی لیکن عوام کے ذہن و فکر کی عمومی سطح کے اعتبار سے ثقیل بھی تھیں اور ناقابلِ فہم بھی ' جیسے اقامتِ دین ' اعلاءِ کلمۃ اللہ اور اظہارِ دینِ الحق علی الدّین کلّہٖ وغیرہ --- یا پھر جب عوامی سطح پر اترنے کی سعی ہوئی تو ایسی اصطلاحات کا رواج ہوا جو عام فہم تو تھیں لیکن چونکہ نہ ان کا براہ راست اور نمایاں تعلق قرآن و حدیث سے تھا نہ تاریخی عوامل کی بنیاد پر وجود میں آنے والے اجتماعی تحت الشعور سے ' لہٰذا وہ نہ خواص کو اپیل کر سکیں ' نہ عوامی احساسات کو کماحقہٗ متحرک کر پائیں ' جیسے مثلاً پہلے خود مولانا آزاد

اور خیری برادران کی اختیار کردہ اصطلاح "حکومتِ الٰہیہ" اور پھر پاکستان میں استعمال ہونے والی عام فہم اصطلاحات نظامِ اسلامی یا نظامِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)

بہرحال اس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر سال کے مہینوں کے شمار میں جو گڑبڑ قریش نے پیدا کر دی تھی اس کے خاتمے کے اعلان کے موقع پر فرمایا تھا کہ "اب زمانہ چکر لگا کر پھر اسی حساب پر لوٹ آیا ہے جس پر اللہ نے اول یومِ تخلیق سے اس کی تقویم فرمائی تھی!" اسی طرح بحمد اللہ برعظیم پاک و ہند کے شرق و غرب میں بھی احیاءِ اسلام کی سعی و جہد نے۔

"پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی!"

کے مصداق اپنے لئے قیامِ خلافت کی اصطلاح کو اختیار کر لیا ہے جو ایک جانب ٹھیٹھ علمی اور خالص قرآنی بھی ہے' اور دوسری جانب عام فہم بھی ہے اور مسلمانوں کے اجتماعی تحت الشعور کے لئے جانی پہچانی بھی!۔ چنانچہ سابق مشرقی پاکستان اور حالیہ بنگلہ دیش میں بھی کچھ ہی عرصہ قبل حافظ جی حضور" کی قیادت میں خلافت کی اذان زور و شور کے ساتھ بلند ہو چکی ہے---اور اِدھر مغربی پاکستان میں بھی گذشتہ تین چار سالوں کے دوران اس کا چرچا تدریجاً تو بڑھ ہی رہا تھا---کم از کم ارضِ لاہور کی حد تک حالیہ "کاروانِ خلافت" کے مظاہرے اور اس "جلسۂ خلافت" کے انعقاد نے "اذانِ خلافت" بلند کر ہی دی ہے جسے لاہور کے ایک اہم قومی روزنامے نے بھی "ایک بڑے جلسے" سے تعبیر کیا!--- مزید برآں اس موقع پر بالکل غیر متوقع طور پر انگلستان کی "حزب التحریر" کے قائدین کی آمد نے تو اس "اذانِ خلافت" کو ایک نیا ہی رنگ و آہنگ عطا کر دیا ہے! فَلِلّٰہِ الحَمْدُ وَالمِنَّۃ!!

تاہم اس موقع پر اس حقیقت سے اعراض ممکن نہیں ہے کہ خلافت کی اس نئی "اذان" نے سوچنے سمجھنے والے لوگوں کے ذہنوں میں بہت سے سوال پیدا کر دیئے

ہیں۔ مثلاً اولاً یہ کہ خلافت کی حقیقت کیا ہے اور اس سے اصلاً مراد کیا ہے؟ ثانیاً یہ کہ نظامِ خلافت سے مراد صرف خلافتِ راشدہ کے زمانے کا نظام ہے یا اس میں امویوں' عباسیوں اور ترکوں کے دور کے نظام بھی شامل ہیں؟ ثالثاً یہ کہ اگر اس سے مراد صرف خلافتِ راشدہ کا نظام ہے تو کیا آج کی دنیا میں' جبکہ عیسوی تقویم کے حساب سے گزشتہ تیرہ سو تینتیس سالوں کے دوران وقت کے دریا میں بہت سا پانی بہہ چکا ہے' جوں کا توں وہی نظام دوبارہ قائم کیا جائے گا یا اس میں ریاستی ڈھانچے (سٹیٹ کرافٹ) کے ضمن میں اِس طویل عرصے کے دوران جو ادارے نوعِ انسانی کے اجتماعی شعور کے ارتقاء کی بناپر وجود میں آئے ہیں ان کو بھی شامل کیا جاسکے گا؟ (واضح رہے کہ خلافتِ راشدہ کا اختتام ۶۶۱ء میں حضرت علیؓ کی شہادت یا زیادہ سے زیادہ حضرت حسنؓ کی دستبرداری پر ہو گیا تھا!) اور رابعاً یہ کہ اگر آخری سوال کا جواب اثبات میں ہو تو یہ چیز جو بظاہر "اجتماعِ ضدّین" نظر آتی ہے کیسے ممکن ہوگی اور تیرہ صدیوں سے زائد کی اس خلیج کو کیسے پاٹا جاسکے گا؟ اور اس طرح جو سیاسی و دستوری' معاشی و اقتصادی اور سماجی و معاشرتی ڈھانچہ وجود میں آئے گا اس کے خد و خال کیا ہوں گے؟

بنابریں' اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق کے بھروسے پر یہ ارادہ کیا ہے کہ آج سے ان کالموں میں ان اہم سوالات کے ضمن میں وضاحت کے ساتھ گفتگو کا آغاز کر دیا جائے۔ وَاللّٰہ المُوفق وَالمُستعان!

جہاں تک خلافت کی حقیقت کا تعلق ہے' لُغوی اور تفسیری مباحث سے قطع نظر' ملکی دستور اور آئین کی سطح پر' اور علمِ سیاست کی اصطلاحات کے اعتبار سے "خلافت" حاکمیت کی ضد ہے۔ یعنی ان دونوں کے مابین نسبت باہم متضاد اور ایک دوسرے کے برعکس ہونے کی ہے!

اسلام کے اساسی نظریئے' یعنی عقیدۂ توحید کی ایک لازمی اور منطقی فرع کی حیثیت سے "حاکمیت" کا حق بالکلیہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مختص ہے۔ اور اس میں کسی بھی پہلو سے کسی دوسرے کی شمولیت و شراکت بد ترین شرک ہے' جو توحید کی ضد

اور کامل نفی ہونے کے اعتبار سے از روئے قرآن ناقابلِ معافی جرم ہے (سورۃ النساء، آیات ۴۸ اور ۱۱۶)

اس بات کو مثبت انداز میں تو قرآن حکیم میں کم از کم ڈیڑھ درجن مرتبہ اس طور سے بیان کیا گیا ہے کہ "لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" یعنی "آسمانوں اور زمین کی کل بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے!"۔ اس کے علاوہ دو بار اللہ کو "اَلْمَلِكُ الْحَقّ" یعنی بادشاہ حقیقی قرار دیا گیا، جبکہ ایک مقام پر "مَالِكَ الْمُلْكِ" یعنی بادشاہت پر واقعتاً متمکن اور متصرف اور ایک جگہ "مَلِيكٌ مُقْتَدِر" سے تعبیر کیا گیا، یعنی ایسا بادشاہ جو فی الواقع ہر چیز پر قادر اور مختارِ مطلق ہو۔ اسی طرح دو مقامات پر تو اللہ کے لئے صرف "اَلْمَلِكُ" کا حد درجہ جامع اور پُر جلال لفظ استعمال ہوا، لیکن تین مقامات پر اس حقیقت کی تعبیر "لَهُ الْمُلْكُ" کے الفاظ سے کی گئی اور ایک مقام پر "بِيَدِهِ الْمُلْكُ" کے الفاظ میں۔

اس مثبت تعبیر سے بھی کہیں زیادہ پر ہیبت اور حتمی و قطعی انداز منفی اسلوب کا ہے، جس کے ضمن میں سب سے زیادہ واشگاف الفاظ تو سورۂ یوسف کی آیت ۴۰ میں وارد ہوئے ہیں: "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ" یعنی: "حکم یا حاکمیت کا اختیار اللہ کے سوا کسی اور کے لئے نہیں ہے!" پھر یہی بات حکمتِ قرآنی کے عظیم ترین خزانوں پر مشتمل دو سورتوں کے جوڑے میں اس طرح بیان ہوئی کہ سورۂ بنی اسرائیل کی آخری اور شرک کی نفی کے ضمن میں حد درجہ جامع آیت میں تو یہ فرمایا گیا کہ: "وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ○" یعنی "کہہ دو کہ کُل حمد اس اللہ کے لئے ہے جس نے نہ تو کسی کو اپنی اولاد بنایا، نہ ہی کوئی بادشاہی میں اس کا ساجھی ہے، اور نہ ہی اس کی کسی سے کوئی دوستی کسی ضعف یا احتیاج کی بنیاد پر ہے --- پس اس کی بڑائی کرو جیسے کہ اس کی بڑائی اور کبریائی کا حق ہے!" اور سورۂ کہف کی آیت ۲۶ کے اختتام پر فرمایا کہ: "وَلَا يُشْرِكُ فِی حُكْمِهٖۤ اَحَدًا" یعنی

"وہ اپنے حکم (کے اختیار) میں کسی کو شریک نہیں کرتا!"

الحمد للہ کہ ان تمام آیاتِ مبارکہ کے خلاصے اور لبِّ لباب کو علامہ اقبال نے نہایت سادہ اور عام فہم الفاظ میں اپنے اس شعر میں بیان کر دیا کہ۔

"سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری"

گویا اللہ کے سوا جس کسی کو حاکمیت (Sovereignty) کا اہل یا حامل قرار دیا جائے گا اس کی حیثیت بتوں کے مانند جھوٹے اور مصنوعی "معبود" کی ہو جائے گی!

تمام مخلوقات سے "حاکمیت" کی اس کلی اور قطعی نفی کے بعد' ظاہر ہے کہ' ان سب کے لئے۔

"ہم بھی تسلیم کی خُو ڈالیں گے
بے نیازی تری عادت ہی سہی!"

کے مصداق سوائے تسلیم و اطاعت کے اور کوئی چارہ' اور سوائے مرتبہ عبدیت کے اور کوئی مقام باقی ہی نہیں رہتا۔ چنانچہ جملہ بے شعور اور بے ارادہ مخلوقات تو ع

"تقدیر کے پابند جمادات و نباتات"

کے مصداق طوعاً و کرہاً طبعی اور طبیعی قوانین کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں' رہیں وہ تین مخلوقات جو خود شعوری اور محدود اختیار کی حامل ہیں تو ان میں سے بھی فرشتوں پر تو اس عبودیت کا اتنا شدید غلبہ ہے کہ سرتابی اور نافرمانی کا امکان ہی نہیں' بفحوائے: "لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ" یعنی "نہیں نافرمانی کرتے اللہ کی' جو حکم بھی وہ انہیں دے' اور کرتے ہیں وہی کچھ جس کا حکم انہیں دیا جاتا ہے!" (سورۂ تحریم : آیت ٦) رہ گئے جِنّات اور انسان تو ان دونوں کی بھی تخلیق کی اصل غرض تو سورۃ الذاریات کی آیت ۵٦ کے مطابق "عبادت" ہی معین کی گئی' یہ دوسری بات ہے کہ ان دونوں میں فرمانبرداری کے ساتھ ساتھ نافرمانی کے داعیات اور رجحانات بھی پیدا کر دیئے گئے ---- اور اس کا ایک حد تک (یعنی خالص طبعی و طبیعی

اور وراثتی و "جینی" یعنی Genetic حدود کے سانچے یا شکنجے کے اندر اندر) اختیار بھی عطا کر دیا گیا۔

چنانچہ اللہ کی اس "حاکمیتِ مطلقہ" اور جملہ مخلوقات کی اس "عبدیتِ مطلقہ" کے بین بین ہے وہ درجہ "خلافت" جو۔

آسماں بارِ امانت نہ توانست کشید
قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند!"

کے مصداق صرف اشرف المخلوقات یعنی حضرت انسان کو عطا فرمایا گیا۔

نظامِ سیاست و حکومت میں اس خلافت کی حیثیت و نوعیت ہم پاک و ہند کے لوگوں کی سمجھ میں نہایت آسانی کے ساتھ آ سکتی ہے۔ اس لئے کہ ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک نوے برس ہم "تاجِ برطانیہ" کے محکوم رہے۔ اس زمانے میں تاج و تختِ برطانیہ کے والی "ملکِ معظم" یا "ملکۂ عالیہ" تو انگلستان میں "رونق افروز" ہوتے تھے' البتہ دہلی میں ان کا ایک "وائسرائے" مقیم ہوتا تھا۔ گویا ہندوستان کی "حاکمیت" کا مرکز سات سمندر پار انگلستان میں تھا جبکہ اس کی نیابت و خلافت کی ذمہ داری وائسرائے کے کاندھوں پر تھی --- اور ان دونوں کے مابین تعلق کی نوعیت یہ تھی کہ جو حکم یا فرمان "ہز میجسٹیز گورنمنٹ" یا "ہر میجسٹیز گورنمنٹ" سے صادر ہوتا تھا اس کی تو بے چون و چرا اور بلاکم و کاست تعمیل و تنفیذ وائسرائے پر لازم تھی۔ باقی جملہ معاملات میں وائسرائے مقامی حالات کی مناسبت سے اپنی صوابدید کے مطابق اقدامات کرنے کا مجاز و مختار تھا!

بالکل یہی معاملہ اللہ کی حاکمیت اور انسان کی خلافت کا ہے کہ بادشاہ حقیقی اور حاکمِ مطلق صرف اللہ ہے' جس کے اوامر و نواہی اور احکام و فرامین کی بے چون و چرا اور بلا کم و کاست پابندی اور تعمیل انسان پر لازم ہے۔ البتہ جہاں اور جس معاملے میں اللہ کا کوئی حکم موجود نہ ہو وہاں وہ اپنے غور و فکر اور تعقل و تدبر کی صلاحیتوں اور اجتہادی قوتوں کو بروئے کار لا کر خود فیصلہ کرنے کا مجاز و مختار ہے۔

(جاری ہے)

نظریۂ انقلاب پر مخاطبین کا طرزِ عمل
انسانی تاریخ وجبلت کی روشنی میں

از: ابو عمیر مہرانی

الحمدللہ رواں صدی کے دوران ہونے والی احیائی جدوجہد کے باعث دین حق کے نظامِ عدل وقسط کے قیام کی ضرورت اب ایک تسلیم شدہ حقیقت بن چکی ہے۔ لیکن اس متبرک نظام کے قیام کے حقیقی طریقہ کار کو سمجھنے کی راہ میں تاحال کچھ ایسی رکاوٹیں حائل ہیں جو اپنوں کی سادگی اور دشمن کی عیاری کا شاخسانہ ہیں۔ وطن عزیز میں نفاذِ اسلام کے حوالے سے جن مذہبی و دینی جماعتوں کو نمائندہ خیال کیا جاتا ہے تقریباً وہ سبھی اسلامی انقلاب برپا کرنے کی داعی ہیں لیکن بدقسمتی سے ایسی تمام جماعتیں عملاً انتخابی سیاست میں بری طرح الجھی ہوئی ہیں۔ ان کی اس انتخابی جدوجہد کے باعث انتخابات اور انقلاب کی اصطلاحیں عوام الناس کے نزدیک مترادف الفاظ کے طور پر معروف ہو گئی ہیں۔ اس لئے اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ لفظ انقلاب کے مفہوم کو تاریخی و عملی شواہد سے ثابت کیا جاتا رہے تاکہ اس کشتِ ویراں میں پوشیدہ زرخیزی کے بار آور ہونے کا جب کبھی وقت آئے تو منزل مقصود تک لے جانے والی شاہراہ اس قدر صاف اور واضح ہو کہ راہ حق کے مسافر پُر پیچ پگڈنڈیوں میں الجھنے سے بچ کر دین محمدیؐ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو اس کی اصل اور منقول شکل میں قائم کر سکیں۔

انقلاب کا اطلاق اس ہمہ گیر تبدیلی پر ہوتا ہے جو کسی ملک کے اجتماعی گوشوں میں رونما ہو کر پہلے سے مروجہ اقدار کو بالکلیہ بدل ڈالے اور نظام سابق کی جڑ بنیاد اکھڑ کر فنا ہو جائے۔ اس عظیم تبدیلی کے لئے اسی قدر عظیم اور طویل جدوجہد درکار ہوتی ہے جو نظامِ کہنہ سے

متصادم بالکل نئے نظریئے کی اشاعت سے شروع ہوتی ہے۔ پھر اس نظریئے کو دل کی آواز سمجھ کر لبیک کہنے والوں کو ایک مضبوط جمعیت میں ڈھالا جاتا ہے اور اس نظریئے کی مناسبت سے ان کی تربیت بھی کی جاتی ہے تاکہ موت کی وادی سے گزرنے والی اس جدوجہد کے دوران شرکاءِ قافلہ کے قدم نہ ڈگمگائیں۔ پھر جب ان سرفروشوں کی تعداد اس قدر مناسب ہو جائے کہ وہ طرز کہن پر اڑنے والوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں للکار سکیں تو تب رہبرِ قافلہ تصادم کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ جو یا تو ان سرفروشوں کی کامیابی پر ختم ہوتا ہے یا ان کی جانیں اپنے نظریئے کے لئے قربان ہو کر تاریخ کا حصہ بن جاتی ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں جتنے بھی انقلابات برپا ہوئے وہ اس معاشرے کی اکثریت کی جدوجہد سے ہرگز رونما نہیں ہوئے بلکہ ایک منظم اور مربوط جانفروش اقلیت ہی نے ہر انقلاب برپا کیا۔

دوسری طرف انتخابات پہلے سے قائم نظام کو درست سمجھنے والوں کے لئے موقع فراہم کرتے ہیں کہ وہ اس نظام کو بہتر انداز میں چلانے کے لئے ملکی عوام کی اکثریت کی حمایت حاصل کریں۔ اس طرح مروجہ نظام نے معاشرے کی تعمیر جن اصولوں کے مطابق کی ہوتی ہے اسی کا عکس انتخابات کے نتائج کی صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ یعنی اگر وہ نظام عدل' مساوات اور خدا ترسی کے اصولوں پر مبنی ہے تو لامحالہ انتخابات کی صورت میں صالح ترین لوگ منتخب ہو کر آجائیں گے لیکن اگر وہ نظام غیر عادلانہ تقسیم دولت' طبقاتی اونچ نیچ اور ظلم و ستم کے اصولوں پر قائم ہے تو پھر وہی لوگ منصب قیادت پر فائز ہوں گے جو اس معاشرے میں عزت و شرف کے حامل ہوں گے۔

ان شاء اللہ العزیز سطور ذیل میں یہ بات واضح کرنے کی ادنیٰ سی کاوش کی جائے گی کہ مروجہ نظام کو بدلنے کے لئے انقلاب کے علاوہ کوئی اور راہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ مقصود مکمل طور پر نظام کو تبدیل کرنا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے انسان میں بہت سی ایسی عادات رکھی ہیں جو وقت و حالات کے ساتھ نئے روپ میں ڈھلنے کی صلاحیت رکھتی ہیں' لیکن چند خصائص ایسے بھی ہیں جو ہر دور کے انسان میں ایک ہی جیسے رہتے ہیں' مثلاً معاشرے کی بنیادی اکائی یعنی خاندان' مرد و عورت کے

باہم مل کر رہنے سے وجود میں آتا ہے۔ اس اکائی کو مضبوط رکھنے کے لئے جن اخلاقی بنیادوں کی ضرورت آج کے دَور کے جوڑے کو درکار ہے صدیوں پہلے بھی یہی اصول کسی جوڑے کے لئے قابل عمل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عائلی و خاندانی امور پر جس قدر مفصل ہدایات قرآن حکیم میں بیان کی گئی ہیں کسی اور انسانی مسئلے کے لئے ہرگز اتنی تفصیل موجود نہیں' کیونکہ یہ شعبہ جبلت کے غیر مبدل حصے سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی انسانی تاریخ کے ہر دور میں قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہے کہ معاشرے کی اجتماعی اقدار کے حوالے سے جب کبھی کسی شخصیت نے مروجہ نظام کے مقابلے میں کوئی نیا نظریۂ فلاح پیش کیا تو معاشرے کی عظیم اکثریت آغاز ہی میں کبھی بھی اس کی حامی و ہمنوا نہیں بنی' کیونکہ

آئینِ نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ کسی نئے نظریئے کی حمایت و مخالفت کے نقطۂ نظر سے ہر دور کی انسانی اجتماعیت تین گروہوں میں منقسم رہی ہے تو زیادہ موزوں ہو گا یعنی :

۱۔ نئے نظریئے کے پرچارک
۲۔ پرانے نظام کے محافظ
۳۔ گروہِ منتظرین

یہ تیسرا گروہ عظیم خاموش اکثریت پر مشتمل ہوتا ہے اور اس کے نزدیک معیارِ حق یہ ہے کہ جو غلبہ حاصل کر لے وہی گروہ حق پر ہو گا جبکہ اول الذکر دونوں گروہ منظم اقلیت ہی میں ہوتے ہیں۔

جب کوئی داعی نئے نظریئے کے لئے حمایت حاصل کرنے کی غرض سے صدا لگاتا ہے تو انگلیوں پر شمار کئے جانے والے افراد یہ دیکھے بغیر داعی کی پکار پر لبیک کہتے ہیں کہ آیا یہ نظریہ عملاً قائم ہو بھی سکے گا یا نہیں' بلکہ ان کا دل اس نظریئے کو انسانیت کے لئے مفید سمجھنے کی گواہی دیتا ہے' اس لئے وہ داعی کے اولین انصار بن جاتے ہیں۔ اگر فی الحقیقت یہ نظریہ

انسانیت کے لئے کُلی یا جزوی فلاح پر مشتمل ہو' نیز اس کا داعی استقلال و استقامت کی صفات سے متصف ہو تو وہ عدم موافقت کے باوجود نظریئے کا پرچار جاری رکھتا ہے۔ اس طرح انتہائی سست رفتاری سے اس نظریئے کی صداقت کی گواہی دینے والوں کی تعداد بتدریج بڑھتی رہتی ہے' لیکن جونہی مقتدر نظام کے محافظوں کو یہ احساس ہوتا ہے کہ ہم نے جس دعوت کو غیراہم سمجھے رکھا وہ تو معاشرے کے تمام طبقوں میں بالعموم اور مقہور طبقوں میں بالخصوص پذیرائی حاصل کرتی جارہی ہے تو وہ اس ننھے منے قافلے کو منتشر کرنے کے لئے طنزواستہزا' تحریص اور تشدد جسمانی سمیت تمام ہتھکنڈوں کو حسب ضرورت آزمانا شروع کردیتے ہیں۔ داعی اور اس کے ساتھی اگر پامردی سے ان مراحل سے گزرتے ہوئے اپنے نظریئے پر ڈٹے رہیں تو خاموش اکثریت میں سے کچھ مزید افراد ان کے دست و بازو بن جاتے ہیں۔ دراصل یہ افراد بھی اول الذکر افراد کی صنف سے ہی تعلق رکھتے ہیں لیکن ان میں فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ یہ نظریئے کو پرکھنے کے بعد حمایت کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اب یہ گروہ پہلے سے زیادہ استقامت و جذبے کے ساتھ اپنے نظریات کا پرچار جاری رکھتا ہے تو لامحالہ نظامِ کہنہ سے مفاد حاصل کرنے والا گروہ پوری شدت سے ان اجنبیوں پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ اس مرحلے پر آبائی وطن سے اخراج تک کے اقدام سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔ یہ مرحلہ واقعتاً انقلابیوں کے جذبے اور نظریئے سے ان کی محبت کا کڑا امتحان ثابت ہوتا ہے۔ اگر انقلابی مال' اولاد' کنبے' قبیلے سے جدائی کی قربانی دے کر بھی دیارِ غیر میں جاکر نظریئے پر قائم رہیں تو ابنائے نوع میں سے کچھ مزید اصحاب عزم و ہمت ان کے نظریئے کو مبنی برحق مانتے ہوئے اس قافلہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ گویا یہ تیسرا گروہ آزمائش کی بھٹی سے سرخرو ہو کر نکلنے کو معیار حق تسلیم کرتا ہے۔

اب چونکہ انقلابی معقول تعداد میں ہو جاتے ہیں' نیز آزمائش کے کڑے امتحانوں سے سرخرو ہو کر نکلنے سے کندن بن چکے ہوتے ہیں' اس لئے اب وہ مرحلہ آجاتا ہے کہ جب انقلابی پہلے سے قائم نظام کے محافظوں کی کسی دکھتی رگ کو چھیڑ کر تصادم کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ یہ مرحلہ انقلابی قیادت کے لئے انتہائی اہمیت و نزاکت کا حامل ہوتا ہے' کیونکہ

حالات کا غلط اندازہ کرتے ہوئے قبل از وقت تصادم کا فیصلہ انقلابی جماعت کو کامیابی کی بجائے صفحہ ہستی سے مٹا دینے کا باعث بن سکتا ہے۔ بہرحال درست فیصلے کی صورت میں انقلابی' طاغوت سے ٹکرانے کے لئے جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آجاتے ہیں۔ تصادم کا مرحلہ حالات کی مناسبت سے مختصر بھی ہو سکتا ہے اور طویل بھی' لیکن ایک بات طے ہے کہ ہر معرکے کے نتیجے میں انقلابی نہ صرف منزل سے قریب ہوتے جاتے ہیں بلکہ ابتدائی دور کی نسبت سے اس دور میں ان کے نظریئے کے ہمنوا مناسب تعداد میں بتدریج بڑھتے رہتے ہیں۔ جوں جوں انقلابی جان و مال کی قربانیاں دے کر آگے بڑھتے ہیں منتظرین کے گروہ سے اصحاب ہمت ان سے جڑتے چلے جاتے ہیں۔

انہی مراحل کے دوران دو طرح کی ذہنیت کے افراد اس قافلہ سخت جان میں مصلحتاً شامل ہو جاتے ہیں۔ اولاً تو وہ دور اندیش لوگ جو مستقبل کی بو سونگھنے کی صلاحیت رکھتے ہوں' انہیں محسوس ہو جاتا ہے کہ جلد یا بدیر نظام کہنہ کا خاتمہ ہونے والا ہے اور قوت و اقتدار ان انقلابیوں کی جھولی میں آگرے گا۔ اس لئے وہ متوقع غلبے سے مستفید ہونے کے لئے انقلابیوں کے ساتھی بن جاتے ہیں۔ اسی طرح کچھ ایسے افراد جو اپنے کنبے قبیلے کی سطح پر سیادت کے حامل ہوتے ہیں وہ جب دیکھتے ہیں کہ قبیلے کے باعزیمت و جواں ہمت لوگ طرزِ کہن کو ٹھوکر مارتے ہوئے آئینِ نو کے پرچارک بن گئے ہیں تو انہیں اپنا ماحول سونا سونا محسوس ہوتا ہے' اس لئے وہ بھی اپنی سیادت کی خواہش لئے ہوئے انقلابی تحریک میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ انقلابیوں کے مقاصدِ حیات بدل جانے کے باعث ان کے یہاں قیادت و سیادت کی اہلیت کے معیار بھی بالکل نئے بن جاتے ہیں جس کے باعث ان مفاد کے بندوں کے ہاتھ کچھ نہیں آسکتا۔ البتہ اس کے باوجود تحریک کی قوت بہرحال وہی باعزیمت انقلابی ہی ہوتے ہیں جو بغیر کسی مفاد و مصلحت کے محض انقلابی نظریئے کی صداقت کو تسلیم کرتے ہوئے قافلہ سخت جاں میں شامل ہوئے ہوتے ہیں۔

انقلابی' تصادم کے مختلف مراحل سے سرخرو ہوتے ہوئے بالآخر آخری معرکے میں پہنچ جاتے ہیں جو طاغوت کے تابوتِ نجس میں آخری کیل ثابت ہوتا ہے اور انقلابی کامیابی

سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔ یہ واضح رہے کہ اس آخری معرکے سے بالکل ماقبل بھی انقلابی لشکر معاشرے کی اکثریت پر مشتمل نہیں ہوتا۔ چونکہ عوام کا عظیم گروہِ منتظرین تو آخری معرکے کے فیصلے کا منتظر ہوتا ہے، تو جونہی انقلابی فتح مند ہوتے ہیں تو اب یہ خاموش اکثریت اپنے پیمانے سے انقلابی نظریئے کی حقانیت کو تسلیم کرلیتی ہے، کیونکہ یہ خاموش اکثریت تو بالواسطہ یا بلاواسطہ غالب قوت کے ساتھ ہی ہوا کرتی ہے خواہ وہ قوت جابرین پر مشتمل ہو خواہ عادل و خدا ترسوں پر۔

انسانی تاریخ کے ہر دور میں نئے نظریئے پر ردِّ عمل کے حوالے سے یہ ایک اجمالی تجزیہ ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اسے اس کی حقیقی کسوٹی پر پرکھیں، جدید تاریخ کے تین مشہور انقلابات کے حوالے سے اس خاکے میں رنگ بھرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اقتدارِ شاہی کے مظالم و جبر کو ختم کر کے عوامی رائے پر مبنی حکومت کی تشکیل کے نظریات تو بہت مدت پہلے روسو اور والٹیئر نے دیئے تھے لیکن ان نظریات کی بنیاد پر نظامِ حکومت کی تشکیل کے لئے جب فرانس میں چند سرپھروں نے کوشش کرنا چاہی تو اسے شاہی تقدس کے خلاف سازش ہی سے تعبیر کیا گیا۔ اور یہ دیوانے عزمِ مصمم سے جب اپنی پکار لگاتے رہے تو شاہی تشدد حرکت میں آگیا، لیکن عزیمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انقلابی آگے ہی بڑھتے چلے گئے اور بالآخر اٹھارہویں صدی کے آخر میں انہیں کامیابی نصیب ہوگئی۔ یہ انقلاب اقلیت ہی نے برپا کیا تھا۔ تاریخ اس پر شاہد ہے۔

اسی طرح سرمایہ دارانہ نظام کے چنگل سے نجات اور پرولتاری ریاست کے قیام کی فلسفیانہ بنیاد تو اٹھارہویں صدی ہی میں ہیگل نے رکھ دی تھی اور انیسویں صدی کے تیسرے عشرے تک فرانس میں کمیونسٹ تنظیم بھی قائم ہو چکی تھی، لیکن ہیگل کا فلسفہ بہت زیادہ تصوراتی تھا، اسے عملی اور قوتِ متحرکہ بنانے والے کارل مارکس اور فریڈرک اینجلز ہیں جنہوں نے ۱۸۴۸ء میں کمیونسٹ پارٹی کا منشور نامی پمفلٹ چھپوا کر کمیونزم کے قیام کی ابتدائی کوششیں شروع کی تھیں۔ گو کہ ان دونوں فلسفیوں کی چالیس پینتالیس سالہ جان توڑ کوشش کے باوجود انقلاب کے آثار کہیں نمودار نہ ہوئے لیکن اس کے باوجود انہیں

مسلسل ایک ملک سے دوسرے ملک جلاوطنی کی سزائیں ملتی رہیں' جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انقلابی عمل کا آغاز ہو چکا تھا اور بتدریج یہ نظریہ قبولیت عامہ کی حیثیت حاصل کرتا جارہا تھا۔ ۱۸۸۸ء میں جب مارکس فوت ہوا تو اس وقت اس کے کمیونسٹ پروپیگنڈا کے اثرات روس اور یورپ کے کئی ممالک کے مزدوروں اور کسانوں میں واضح طور پر محسوس ہو رہے تھے۔ اس تحریک کو آگے چل کر روس میں لینن کی قیادت میسر آئی اور پے در پے قربانیوں کے بعد ۱۹۱۷ء میں پہلا کمیونسٹ انقلاب ظہور پذیر ہوا۔ پھر کچھ ہی عرصے کے اندر اندر مشرقی یورپ کے کئی ممالک میں مارکس کا لگایا ہوا پودا پھل لے آیا۔ یہ بات بہرحال واضح ہے کہ روس میں تکمیلِ انقلاب کے بعد حتیٰ کہ اختتام تک بھی انقلاب کی اصل قوت کمیونسٹ پارٹی کبھی بھی اکثریت پر مشتمل نہیں رہی بلکہ ایک منظم اور سرفروش اقلیت ہی تھی جو جان پر کھیل کر نظریئے کو بچانا جانتی تھی۔

اسی طرح پندرہ سال قبل ایران میں شاہ کے مظالم کو ختم کر کے انقلاب برپا کرنے والے مجاہدین کی جدوجہد میں یہ مراحل محسوس کئے جاسکتے ہیں۔ ایران میں طاغوتی نظام کے خلاف پہلی آواز بلند کرنے والے سید جمال الدین افغانیؒ ہیں جو ۱۹۰۰ء میں ایران گئے اور وہاں برطانوی حکومت کے طاغوتی نظام کو للکارا' نیز علماء کا کنونشن منعقد کر کے جدوجہد کا آغاز کیا' جس کے نتیجے میں قاچار کی مطلق العنان بادشاہت کی جگہ دستوری بادشاہت کا آغاز ہوا۔ پھر مختلف ناموں سے کئی جماعتیں برسرپیکار رہیں تاآنکہ علامہ طلیقانی کی کوششوں سے ۱۹۴۳ء میں ایک مشترکہ انقلابی تنظیم وجود میں آئی۔ یہاں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ نظریہ گو ۱۹۰۰ء سے جاری تھا لیکن اس کے پھلنے پھولنے میں رکاوٹ کے باعث انقلابی منتشر قوتوں میں بٹے رہے۔ پھر ۱۹۴۳ء سے ۱۹۵۳ء تک انتہائی منظم انداز میں نظریاتی تربیت کا کام ہوتا رہا۔ چونکہ ۴۳ء میں مختلف قوتیں متحد ہو کر ایک قوت بن چکی تھیں اس لئے اب تربیت جیسے اہم انقلابی مرحلے کی طرف توجہ دی گئی اور ۱۹۶۰ء تک زیرزمین مزاحمتی تحریک پھیلتی رہی۔ ۶۰ء میں جب آیت اللہ خمینی اس تحریک کے سالار بنے تو اس میں ایک نیا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ۶۳ء میں خمینی صاحب کو ملک بدر کر دیا گیا کیونکہ شاہ

کے خلاف انہوں نے مظاہراتی تحریک شروع کر دی تھی جس میں شاہ کی فوجوں نے ہزاروں ایرانیوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا تھا۔ لیکن سالارِ تحریک کی جلاوطنی کے باوجود تحریک روز بروز پھیلتی رہی۔ ۱۹۷۱ء سے ۷۸ء تک مسلسل مظاہروں کا سلسلہ جاری رہا جس کے دوران لگ بھگ ستر ہزار نہتے عوام کو شاہی غنڈوں نے بھون ڈالا لیکن یہ ظلم بھی طاغوتی ایجنٹ کو قائم نہ رکھ سکے اور بالآخر انقلابی اپنی منزل پا کر رہے۔

تاریخ کے ان تینوں انقلابات میں جو چیزیں قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہیں وہ یہ کہ انقلابی نظریہ ابتدا میں بالکل اجنبی محسوس ہوتا تھا لیکن انقلابی قیادت کی استقامت اور کارکنوں کی سرفروشی کے باعث اسے بتدریج پذیرائی حاصل ہوتی گئی۔ دوسری بات یہ ہے کہ تینوں انقلاب انسانی جانوں کی تلافی کی طویل داستانیں لئے ہوئے ہیں۔ تیسری یہ کہ تینوں جگہ انقلابی عمل بتدریج زینہ بہ زینہ مختلف جماعتوں اور قیادتوں کے تحت آگے بڑھا ہے اور آخری مرحلہ کسی اور کی زیر قیادت تکمیل پذیر ہوا ہے' جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انقلاب چند برسوں میں مکمل نہیں ہوا کرتے بلکہ صدی ڈیڑھ صدی اس عمل کے لئے درکار ہے۔

اب ہم اس تجزیئے کو اس کی حقیقی کسوٹی یعنی سیرت خیر البشر سید المرسلین رحمۃً للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے رہنمائی حاصل کریں گے کہ آپ ﷺ نے جب انسانیت کی دنیوی واخروی فلاح کا نظریہ توحید پیش فرمایا تو مخاطبین کا ردِ عمل کیا تھا۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل نے پروانہ نبوت عطا فرمایا اور ابتدائی وحی کے کچھ عرصہ بعد جب "قُمْ فَأَنذِرْ' وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ" کا حکم فرمایا تو آپؐ نے دعوتِ توحید کا آغاز اس حلقے سے فرمایا جو قلب کی گہرائیوں سے آپؐ کے قول و فعل کے شاہد و شناسا تھے۔ اس طرح حضرت خدیجۃ الکبریٰ' حضرت ابوبکر صدیق' حضرت زید بن حارثہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اس قافلہ توحید کے اولین انصار بنے۔ پھر تین سال تک چپکے چپکے آپؐ اور آپؐ کے جاں نثار ساتھی محنت کرتے رہے اور اکا دکا سلیم الفطرت ہستیاں پیغامِ توحید کو دل کی پکار سمجھ کر لبیک کہتے ہوئے دامنِ اسلام میں پناہ لیتی

رہیں۔ آغاز نبوت کے تقریباً تین سال بعد آپ ؐ کو اعلانیہ دعوت کا حکم ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قبائل قریش کو کوہ صفا سے پکار لگا کر جمع فرمایا اور انہیں خدائے واحد پر ایمان لانے اور اس کے نتیجے میں عرب و عجم کا ان کے تابع ہونے کی نوید سنائی' لیکن اہل مکہ نے برملا انکار کر دیا۔ حالانکہ آپ ؐ کی صداقت اور عظمت کردار کے وہ خود مداح تھے لیکن چونکہ اس نظریئے کو مان کر مروجہ اقتدار و نظام پر زد پڑتی تھی اس لئے وہ اس کی مخالفت پر ڈٹ گئے۔

کچھ ہی عرصہ بعد جبکہ اہل ایمان کی تعداد چالیس ہو چکی تھی آپ ؐ نے مرکز توحید کعبتہ اللہ میں کلمۂ توحید کی دعوت پیش فرمائی تو رؤسا نے ذات عالی پر حملہ کر دیا اور آپ ؐ کے ایک جاں نثار حضرت حارث ؓ بن ابی ہالہ آقا ؐ کو بچاتے ہوئے شہید کر دیئے گئے۔

قافلہ سخت جاں طنز و استہزا اور جسمانی تعذیب کی آزمائشوں سے گزرتا ہوا دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہا تھا' لیکن ابھی تک اہل ایمان میں یا تو قبیلہ قریش کے شریف النفس اصحاب شامل تھے یا پھر زیردست غلام اس قافلہ کے دست و بازو بنے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے الہ العالمین کی جناب میں التجا کی کہ اے اللہ اس قافلے کو جلالت شان عطا کرنے کے لئے عمرو بن ہشام اور عمر بن خطاب میں سے کسی ایک کو ایمان کی توفیق عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے نہ صرف عمر ؓ بن خطاب کو توفیق بخشی بلکہ عم رسول ؐ حضرت حمزہ ؓ کو دولت ایمان سے نواز کر دشمنان اسلام پر لرزہ طاری کر دیا۔ ان اصحاب جلال کے قبول اسلام سے اہل ایمان میں نیا جوش اور ولولہ پیدا ہوا۔ نبوت کے چھ سال ہو چکے تھے اور اہل ایمان بھی چالیس پچاس کی تعداد میں تھے' لیکن تاحال اہل ایمان خفیہ عبادت کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر ؓ نے قبول اسلام کے بعد کعبتہ اللہ میں کھلے عام عبادت شروع کی تو دوسرے اہل ایمان بھی بیت اللہ میں عبادت کرنے لگے۔ اسلام کو قوت اور دوام حاصل کرتے دیکھ کر کفار نے داعی اسلام اور اہل ایمان پر ظلم و استہزا مزید تیز کر دیا۔

اہل ایمان کا تعذیب پر صبر اور دعوت کی لگن بتدریج سلیم الفطرت اصحاب ؓ کو اسلام کی

طرف لانے کا باعث بن رہی تھی' لیکن نظامِ کہنہ کے محافظ اپنے مفاد چھنتے دیکھ کر ظلم و بربریت کی انتہاؤں تک پہنچ رہے تھے۔ اس لئے نبی اکرم ﷺ نے سرزمین مکہ میں اسلام کے پھلنے پھولنے کے مزید آثار نہ پاتے ہوئے طائف کے سفر کا ارادہ فرمایا کہ شاید وہ زمین اس پیغام کے لئے موافق ثابت ہو جائے۔ لیکن سردارانِ طائف نے محسن انسانیت سے اس قدر گستاخانہ سلوک روا رکھا جس کے باعث آپؐ یوم طائف کو اپنی زندگی کا سخت ترین دن کہا کرتے تھے۔ طائف سے زخم کھا کر آپؐ مکہ واپس تشریف لائے تو سرداران مکہ نے آقائے دو جہاں کے شہر میں داخلے پر پابندی لگا دی۔ آپؐ ایک مشرک مطعم بن عدی کی پناہ لے کر داخل شہر ہوئے۔ آپؐ نے مطعم کے اس اہم موڑ پر کئے گئے احسان کو یاد رکھا اور غزوۂ بدر کے بعد فرمایا کہ اگر آج مطعم زندہ ہوتا تو اس کی سفارش پر میں تمام قیدی رہا کر دیتا۔

رسول اللہ ﷺ پیغام ہدایت کو انسانوں تک پہنچانے کے لئے ہر لحہ بے تاب رہا کرتے تھے۔ خواہ مضافات مکہ کے میلے ہوں یا قافلہ ہائے حج' آپؐ ہر جگہ فلاح حقیقی کا پیغام پہنچانے تشریف لے جاتے تھے۔ ۱۰ نبوی میں سفر حج کے موقع پر یثرب کے قبیلہ خزرج کے قافلے کو آپؐ نے دعوت ایمان دی تو چھ افراد نے آپؐ کے دست مبارک پر بیعت اسلام کی۔ یوں مکہ کی ناموافق فضا کے باعث طبیعت اطہر پر جو بوجھ تھا اللہ تعالیٰ نے مدینہ کی طرف توسیع دعوت کی کھڑکی کھول کر اس کا مداوا فرمایا۔ اگلے برس پھر اہل مدینہ میں سے بارہ افراد نے اسلام قبول کیا' نیز اپنے ہمراہ ایک معلم بھیجنے کی درخواست بھی کی۔ آپؐ نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو اس اہم فریضے کے لئے منتخب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی خصوصی نصرت اور المقری حضرت مصعبؓ کی محنت شاقہ کے باعث اگلے برس ایام حج میں بہتر افراد نے آپؐ سے بیعت اسلام کرتے ہوئے مشن توحید کی خاطر عرب و عجم سے ٹکر لینے کا عہد کیا۔

اب مسلمانوں کو مدینہ میں محفوظ پناہ گاہ میسر آچکی تھی۔ آپؐ نے ظلم و ستم سے ستائے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ اکثر صحابہ موقع پا کر ہجرت کرنے لگے۔ مدینے میں اسلام کو جڑ پکڑتے دیکھ کر دشمنان اسلام غصے

سے پاگل ہوئے جا رہے تھے۔ انہوں نے تمام اخلاق و مروت کو ایک طرف پھینکتے ہوئے انسانوں کے غم گسار محمد ﷺ کو قتل کر دینے کا ناپاک منصوبہ بنالیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس سازش کی پیشگی اطلاع دے کر ہجرت کرنے کی اجازت فرمادی۔ یوں آپ' نبوت کے تیرھویں سال کے آغاز میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے ہمراہ رات کے پچھلے پہر کعبۃ اللہ پر محبت بھری نگاہ ڈال کر یہ کہتے ہوئے مدینہ کی طرف سفر ہجرت پر روانہ ہو گئے کہ "اے مکہ تو مجھے تمام دنیا سے عزیز ہے لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے"۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہاں رک کر غور کرنا چاہیے کہ محمد ﷺ جو چالیس سال تک اپنی قوم کے درمیان صدق و صفا اور بلندی کردار کی بے مثل اور قابل تقلید علامت بن کر رہے لیکن جب آپ' نے انسانیت کی دنیا و آخرت سنوار دینے والے پیغام حق کی صدا لگائی تو اپنی ہی قوم میں اجنبی بن کر رہ گئے اور سرداران قوم جن کے مفادات پر اس نور ہدایت کے عام ہونے سے زد پڑتی تھی آپ' کے جانی دشمن بن گئے' جبکہ قوم کی اکثریت دل سے بتدریج قائل ہو جانے کے باوجود لاتعلق بنی رہی اور تیرہ سالہ جاں گسل' دن رات کھپا دینے والی جدوجہد اور کامل نصرت ربانی کے باوجود خیرالبشر ﷺ کو اس ام القریٰ مکہ سے ایک سو سے بھی کچھ کم جاں نثار ساتھی ؓ ہی میسر آسکے۔ لاریب غور کرنے والوں کے لئے تو یہ داستان سرمۂ شفاء ہے کہ محمد ﷺ جیسے غم گسارِ انسانیت' مجسم صفات کمال نیز اللہ تعالیٰ کی ایک طرف سے ہر لحظہ رہنمائی و نصرت کے حامل جب نظام طاغوت و شرک کو بدل کر نظام عدل و توحید بپا کرنے کے لئے "مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہ" کی پکار لگاتے ہیں تو اکثریت نے آپ' کا ساتھ نہ دیا ---- تو پھر کون مائی کا لعل ہو گا جسے "اس" کام کے کرنے کے لئے اکثریت کی حمایت حاصل ہو سکے۔ ایں خیال است و محال است و جنوں!

البتہ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی پہلے سے قائم فاسد نظام کے سائے میں حکومت حاصل کر کے نفاذ اسلام کا مصنوعی لیبل لگانے کا خواہش مند ہو تو ہو۔ چونکہ تاریخ انسانیت میں یہ کبھی نہیں ہوا کہ ایک نظام قائم ہو اور اس کی موجودگی میں کوئی دوسرا نظام بھی متوازی طور پر قائم ہو جائے۔ نیا نظام قائم ہونے سے پہلے یہ کیفیت ہر دور میں پیدا ہوئی ہے کہ نئے

نظام کے جاں نثاروں کی جدوجہد سے نظام کہنہ خس و خاشاک میں ملا ہے اور نظام کہنہ کے نابود ہونے سے خلا پیدا ہوا ہے ب انقلابی نئے سرے سے اپنے من پسند نظام کے اصولوں کے تحت تعمیر نو کرتے ہیں چونکہ۔

تخریب حسیں کر دیتی ہے تعمیر کے نقصِ ناقص کو
بت خانے کی قسمت کیا کہئے اجڑے تو حرم ہو جاتا ہے

اگر نظام باطل کو جڑ بنیاد سے اکھیڑے بغیر اسلام کا نظام عدل و قسط ثمر آور ہو سکتا تو اس کی پیشکش تو خیرالبشرؐ کو سرداران قریش کی طرف سے آغاز نبوت کے بالکل ابتدائی برسوں ہی میں ہو گئی تھی جبکہ ابھی شجر اسلام ننھی منی کونپل کی مانند تھا' یعنی ابھی گنتی کے چند سلیم الفطرت اصحابؓ ہی نے اسلام قبول کیا تھا' لیکن دوربین نگاہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ اس دعوت توحید میں وہ زبردست قوت متحرکہ ہے کہ اگر اسے اسی مرحلے پر لگام نہ دی گئی تو جلد ہی ہمارے مفادات کے محل زمین بوس ہو جائیں گے' اس لئے سرداران قریش نے عتبہ بن ربیعہ کو ہر طرح کی پرکشش مراعات کی قیمت پر محمد ﷺ 'فداہ ابی و امی' سے معاملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ ان مراعات میں زن و زر کے علاوہ یہ اہم ترین پیشکش بھی شامل تھی کہ ہم آپؐ کو ریاست مکہ کا فرمانروا تسلیم کر کے مکمل اطاعت کرنے کے لئے آمادہ ہیں بشرطیکہ آپؐ اس دعوت کو بند کر دیجئے۔ عتبہ کو قوی یقین تھا کہ کوئی شخص ان مراعات کے سوا کسی اور مقصد کے لئے اس قدر مشقت و مصائب برداشت نہیں کر سکتا' لہٰذا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لازماً یہ ایکسچینج ڈیل کر لیں گے' لیکن نبی ﷺ کا ٹکا سا جواب اور کلام ربانی کا کچھ حصہ سن کر وہ مبہوت ہو گیا اور اس نے واپسی پر قریش کو یہ مشورہ دیا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی راہ میں رکاوٹ نہ بنو' وہ جو کچھ پیش کرتے ہیں وہ کسی انسان کا کلام ہرگز نہیں۔

سوچنے کا مقام یہ ہے کہ اگر محض اختیار و اقتدار کے ذریعہ دین حق کا غلبہ ممکن ہوتا تو آپؐ ہرگز انکار نہ فرماتے۔ لیکن آپؐ نے تخت حکومت کی بجائے شعب ابی طالب' طائف اور مکے کی گلیوں میں پیش آمدہ بے پناہ دکھ اور سلسلہ ہائے ظلم قبول کیا' کیونکہ اللہ کے کلمہ کی سربلندی جیسی عظیم منزل تک پہنچنے کے لئے درد و الم کی اس وادی سے گزرے

بغیر کوئی اور چارہ ہرگز نہ تھا۔ مکہ میں محسن انسانیت اور آپ ؐ کے جاں نثاروں پر ظلم و ستم انتہا کو پہنچا تو اذن ربانی سے ہجرت مدینہ کا ہر لحاظ سے اہم موڑ آیا۔ ہجرت کے سبب مدینہ میں اہل ایمان کو محفوظ مرکز میسر آگیا تھا جس کے باعث توسیع دعوت میں نسبتاً آسانی پیدا ہو گئی اور مہاجرین و انصار پر مشتمل ایک مختصر لیکن منظم جماعت وجود میں آگئی' اس لئے اب باطل کو بر سر میدان للکارنے کا وقت آگیا تھا۔ چنانچہ چھاپہ مار مہموں کے سلسلے کا آغاز ہوا' جس کے نتیجے میں دشمن کو اپنی رگ حیات خطرے میں محسوس ہوئی تو ۲ھ میں وہ مسلح لشکر لے کر اہل ایمان کو مٹانے کی ناپاک خواہش لے کر نکلے۔ لیکن کفر و ایمان اور حق و باطل کا پہلا معرکہ میدان بدر میں باطل کی کمر توڑنے کا باعث بن گیا اور ابو جہل کی خواہش پر اللہ نے واقعی یوم بدر کو "یوم فرقان" بنا دیا' جہاں حق کا حق ہونا نصرت الٰہی اور اہل ایمان کی قلیل جماعت کی سرفروشی کے باعث ثابت ہو گیا۔ یہ معرکہ حق کی کامل فتح کی ابتدائی کڑی ثابت ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام کو ایک ابھرتی ہوئی قوت منوانے کا باعث بنا۔ اور بلاشبہ منتظرین میں سے کچھ مزید اصحاب عزیمت کو قافلہ حق میں شامل ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ معرکہ ہائے حق و باطل کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ ماسوائے غزوۂ احد کے' تمام معرکوں میں اہل ایمان فتح کے جھنڈے گاڑتے نصرت الٰہی کے سائے تلے آگے ہی بڑھتے چلے گئے۔ غزوۂ احد کی عارضی شکست بھی فی الحقیقت فتح ہی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی' کیونکہ اس کار عظیم کے لئے میر کارواں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی جس درجہ اطاعت کلی درکار تھی اس میں کمی کے اندیشے کے باعث اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی میں ایک جھٹکا دے کر اصلاح فرما دی۔ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بحیثیت سپہ سالار اور رہبر انقلاب کا تذکرہ ہے' چونکہ یہی وہ اہم پہلو تھا جس کے لئے ختم المرسلین ﷺ کے بعد اس کام کو لے کر اٹھنے والے قافلوں کے لئے رہنمائی مہیا کرنا مقصود تھا۔

قافلہ سخت جاں مکہ میں تربیت کی وہ منزلیں طے کر چکا تھا کہ اب وہ کندن بن چکے تھے اس لئے ہر معرکے کے بعد ان کی ہیبت کفر پر گہری ہوتی چلی گئی اور قافلہ مضبوطی و وسعت کی منزلیں طے کرتا اس اہم موڑ پر پہنچ گیا جب دشمنان اسلام انہیں ایک قوت کے طور پر تسلیم کرتے ہوئے ان سے معاہدہ کرنے پر آمادہ ہوئے۔ ۶ھ میں ہونے والی صلح حدیبیہ کئی لحا

سے فتح مبین ثابت ہوئی۔ (i) دشمن نے اہل ایمان کو اپنی ہم پلہ قوت تسلیم کر لیا۔ (ii) صلح کے باعث مسلمانوں کو دیگر علاقوں اور قبائل عرب تک دعوت اسلام پہنچانے کی مہلت میسر آئی' نیز قبائل یہود سمیت دیگر فتنوں کی سرکوبی کے لئے موقع فراہم ہو گیا۔ (iii) صلح کی بناء پر مکہ اور مدینہ میں جانبین کی آزاد آمد و رفت شروع ہو گئی۔ اس طرح اہل ایمان کی عظمت کردار اور اسلامی تہذیب سے متاثر ہو کر اس وقفے کے دوران اس قدر لوگوں نے اسلام قبول کیا جس کی مثال ماقبل عرصے میں ہرگز نہیں ملتی۔ حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت عمروؓ بن العاص نے اسی عرصے میں اسلام قبول کیا۔ گویا یہ صلح قوت اسلام میں بے پناہ اضافے کا باعث بنی۔

جب قریش نے صلح کے باعث اہل ایمان کو ایسی کامیابیاں حاصل کرتے دیکھا جو زمانہ جنگ میں انہیں حاصل نہ ہو پائی تھیں تو انہوں نے صلح توڑنے کی نیت سے معاہدے کی خلاف ورزی کی' جس پر رہبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لحہ ضائع کئے بغیر آخری معرکے کے لئے فوج کشی کا حکم دے دیا۔ اس طرح آپ دس ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ مکہ کی طرف عازم سفر ہوئے۔ مکہ کے مضافات میں لشکر حق نے پڑاؤ کیا تو سردار مکہ ابو سفیان رات کے وقت جائزہ لینے کے لئے اس طرف آئے تو اللہ تعالیٰ نے آخری مرحلے میں شان رحمت کا ظہور فرماتے ہوئے ان کے لئے قبولیت اسلام کے حالات پیدا فرما دیئے (رضی اللہ عنہ)۔ یوں کفر کی کمر بالکل ٹوٹ گئی اور وہ قافلہ جو مجبور ہو کر اس سرزمین سے نکل گیا تھا' آج ہادی دو عالم ﷺ کی رہبری میں عجز و انکساری کی مجسم تصویر بنے اسی بستی میں اللہ عزوجل کا شکر بجالاتے فاتحانہ داخل ہو رہا تھا۔ محسن انسانیت رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کو ایذا پہنچانے والے سہمے ہوئے گروہ کے لئے عام معافی کا اعلان فرما کر ان کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ یہ وہ مرحلہ تھا کہ خاموش اکثریت جواب تک آخری فیصلے کی منتظر تھی وہ دھڑا دھڑ اسلام کی آغوش سلامتی میں داخل ہونے لگی۔ قبولیت اسلام کا یہ سلسلہ فتح مکہ سے شروع ہو کر دو سال تک برق رفتاری سے جاری رہا' حتیٰ کہ ۱۰ھ میں جب ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم آخری حج کے لئے تشریف لائے تو اس وقت تک پورا عرب اسلام کے زیر نگیں آچکا تھا اور ملک میں کوئی مشرک باقی نہ رہا تھا۔

اب ہم اس تجزیئے کی صداقت کو مزید مبرہن کرنے کے لئے سرچشمہ ہدایت قرآن حکیم کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ گوکہ قرآن اور مجسم قرآن (صلی اللہ علیہ وسلم) عملاً ایک ہی وحدت کا نام ہے' لیکن قرآن حکیم سے استشہاد گویا سیرت رحمتہ للعالمین کی گواہی کو لاریب بنانے کا باعث بنے گا۔

اللہ رب العزت اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشخبری دیتے ہوئے سورۃ النصر میں فرماتے ہیں کہ

اِذَا جَاۤءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ○

"جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مدد آجائے اور فتح نصیب ہو جائے اور (اے نبیؐ) آپؐ دیکھ لیں کہ لوگ فوج در فوج اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔"
(النصر آیت ا'۲)

یہ سورۂ مبارکہ فتح مکہ سے ماقبل نازل ہوئی اور تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہاں فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔ علامہ حافظ ابن کثیرؒ' مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ' شاہ عبد العزیز دہلویؒ' مولانا اشرف علی تھانویؒ' شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ' مولانا عبدالحیؒ' مولانا مفتی محمد شفیعؒ اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنی اپنی تفاسیر میں ان آیات سے جو مراد لی ہے ان سب کا مفہوم یہ ہے کہ گو آغاز نبوت سے لوگ اسلام قبول کرتے آرہے تھے لیکن اس طرح کہ ایک ایک دو دو آدمی اسلام میں داخل ہوتے تھے۔ لیکن عموماً عرب قبائل اسی کے منتظر تھے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم قوم پر غالب آجائیں اور مکہ معظمہ ان کے زیر نگیں آجائے تو پھر انؐ کے نبیؐ ہونے میں ذرہ بھی شبہ نہ ہوگا۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں مکہ فتح کرا دیا تو اب جو لوگ اس انتظار میں تھے وہ فوج در فوج دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگے' حتیٰ کہ سارا عرب مسلمان ہوگیا۔

مفسرین کرامؒ کا مجموعی مفہوم بیان کر دینے کے باوجود اگر علماء کرام میں سے دو ک اقتباس بھی نقل کر دیا جائے تو بات الم نشرح ہو جائے گی۔ ہندوستان کے مولانا عبدالحی جو

غالباً اس صدی کے عظیم مجاہد مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے تلامذہ میں سے ہیں' پارہ عم کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

"جب کوئی نئی تحریک یا نیا طرز فکر لوگوں کے سامنے آتا ہے تو ایک عرصے تک اسے ایسے لوگوں سے نمٹنا پڑتا ہے جو اپنی پرانی روش کو کسی قیمت پر چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے' اور آخر وقت تک اپنے عقیدوں' اپنے رواجوں اور اپنے باپ دادا کے طریقوں سے چمٹے رہتے ہیں۔ ساتھ ہی ایسے لوگ بھی برابر بڑھتے رہتے ہیں جو اس نئی تحریک کا ساتھ دیتے ہیں اور نئے افکار کو قبول کر لیتے ہیں۔ ایک عرصے تک دونوں میں کشمکش جاری رہتی ہے۔ اس مدت میں عام لوگوں کی ایک بڑی تعداد آخری نتیجوں کا انتظار کرتی رہتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے ذہن اور مزاج کے اعتبار سے خود کسی فیصلے پر پہنچنے کے بدلے یہ انتظار کرتے رہتے ہیں کہ دیکھیں آخر میں کس کا پلہ بھاری رہتا ہے' چنانچہ جب اس کشمکش کے نتیجے میں کسی ایک گروہ کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے تو یہ سب اسی کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ کچھ ایسی ہی صورت حال اس وقت عرب میں بھی تھی۔ ایک طرف اسلامی عقیدے اور اسلامی افکار کی تبلیغ ہو رہی تھی' دوسری طرف لوگ اس کی مخالفت پر کمر باندھے ہوئے تھے اور ایک عرصے سے دونوں میں کشمکش جاری تھی۔ اسلام کا پلہ رفتہ رفتہ بھاری پڑتا جا رہا تھا اور اب وہ وقت آگیا تھا کہ اسلام اور کفر کے درمیان آخری فیصلہ ہو جائے۔ یہ فیصلہ فتح مکہ کی صورت میں سامنے آیا۔ مکہ فتح ہونے کے بعد کفر نے میدان چھوڑ دیا اور وہ لوگ جو اس آخری فیصلے کے انتظار میں تھے اسلام کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے لگے۔ یہاں تک کہ پورے ملک سے شرک اور کفر کا نام و نشان تک مٹ گیا۔"

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیعؒ اپنی تفسیر موسوم بہ "معارف القرآن" میں اس سورۂ مبارکہ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں کہ :

"فتح مکہ سے پہلے بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جن کو رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی رسالت اور اسلام کی حقانیت پر تقریباً یقین ہو چکا تھا مگر اسلام میں داخل ہونے سے ابھی تک قریش کی مخالفت کے خوف سے یا کسی تذبذب کی وجہ سے رکے ہوئے تھے۔ فتح مکہ نے وہ رکاوٹ دور کر دی تو فوج در فوج ہو کر یہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔"

الحمدللہ عقلی و نقلی دلائل سے یہ بات برہان قاطع کی طرح نکھر کر سامنے آچکی ہے کہ انسانی تاریخ میں کسی بھی معاشرے میں جب مروجہ اقدار سے متصادم نظریہ پیش کیا گیا تو ابنائے نوع کی عظیم اکثریت نے کبھی بھی اسے آغاز ہی میں قبول نہیں کیا بلکہ اکثریت تو نئے اور پرانے نظریئے کی حامی منظم اقلیتوں کے مابین ہونے والی کشمکش کے آخری فیصلے کا انتظار کیا کرتی ہے۔ اس کے نزدیک وہی گروہ حق پر ہوتا ہے جو اس کشمکش سے سرخرو ہو کر غلبہ حاصل کر لیتا ہے۔ تو اس فیصلے کے بعد یہ خاموش اکثریت یا گروہ منتظرین وقت ضائع کئے بغیر نئی غالب قوت کی مطیع ہو جاتی ہے اور ان کی تہذیب و اقدار کو اختیار کر لیتی ہے۔ اسی سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ کشمکش اور تصادم کے بغیر محض دعاؤں' خواہشات اور دعوت و اصلاح سے باطل اہل حق کے لئے کبھی راستہ نہیں چھوڑتا اور نہ ہی اکثریت اپنی روش بدل کر نئی دعوت قبول کرتی ہے۔

اب ہم ارض پاکستان اور دیگر مسلم ممالک کے حوالے سے عرض کرنا چاہتے ہیں کہ کیا ان تمام مسلم ممالک میں جو نظام رائج ہیں وہ نظام اسلام کے اصولوں کے عین مطابق ہیں؟ یعنی کیا یہاں حاکمیت مطلقہ صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو حاصل ہے؟ نیز معاشی میدان میں ملکیت کی بجائے یہاں امانت کا اصول رائج ہو جانے کے باعث مترفین اور محرومین کے طبقات موجود نہیں ہیں؟ اسی طرح معاشرتی تشکیل اسلامی اصول تقویٰ کی بنیاد پر ہے؟ یہاں طبقاتی اونچ نیچ ہرگز نہیں؟؟

الحمدللہ نظام اسلام کی سربلندی کے لئے کوشاں تمام احزاب ان سوالات کا جواب نفی ہی میں دیتے ہیں' جس کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے' جس سے اغماض برتا جا رہا ہے' کہ ضرورت اولین تو نظام کی تبدیلی کی ہے' کیونکہ موجودہ تمام نظام کفر و شرک پر مبنی ہیں۔ اور ظاہر ہے' جیسا کہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے' کہ باطل کی گرفت توڑے بغیر' نظام

کفر بدلے بغیر' حکومت و اقتدار کا حصول بے معنی بن جاتا ہے۔ چونکہ باطل نظام کے تحت حکومت اس نظام کی وفاداری کا دم بھرنے یا آج کے الفاظ میں اس کے تحفظ کا حلف اٹھانے ہی سے ملتی ہے اس لئے اسلام کے غلبے کے لئے انتخابی میدان بے سود ہی نہیں منزل سے دور کرنے والا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہبی جماعتوں کی کوشش سے موجودہ نظام میں جزوی اصلاح اس کی عمر بڑھانے کا باعث بن رہی ہے۔ جبکہ انقلاب کے داعی نظام باطل کے لئے اصلاح کرنے والے ہرگز نہیں ہوا کرتے۔ انقلاب کی تو بنیاد ہی مروجہ نظام کو باطل اور انسانیت کے لئے ناسور ثابت کرتے ہوئے انسانیت کی فلاح والے نظام کی دعوت سے پڑتی ہے۔ گویا انقلابی' نظام باطل کے اولین باغی ہوا کرتے ہیں' جو اس کی اقدار سے سمجھوتہ ہرگز نہیں کرتے' جبکہ انتخاب تو مروجہ نظام کے آئین و قانون کی کامل اطاعت کر کے ہی لڑے جاتے ہیں۔ گویا انتخاب لڑنے والے اس آئین و قانون کو درست تسلیم کرتے ہیں۔ جبکہ ہماری دینی سیاسی جماعتیں عملاً انتخابی میدان میں ہوتے ہوئے اس نظام کی تائید بھی کرتی ہیں لیکن قولی طور پر اس نظام کو بدل کر اسلام کا نظام قائم کرنے کے بلند و بانگ دعوے بھی کرتی ہیں۔ معذرت کے ساتھ' اس سے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بھئی یہ شجر تو کیکر کا ہے لیکن ہم اس کے اوپر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم اس درخت پر آم کا پھل لگا دیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دل کی گہرائیوں سے التجا ہے کہ وہ ذات جس کی دو انگلیوں میں مخلوق کے قلوب ہیں' وہ ہمارے ان مخلص قائدین و کارکنان کو یہ فرق سمجھا دے کہ آم کا پھل حاصل کرنے کے لئے کیکر کا درخت جڑ سے اکھاڑو پھر آم کا تخم زمین میں دبا کر اس کی آبیاری کرو' گرم و سرد ہواؤں سے اس کی حفاظت کرو' پھر جب وہ درخت اپنے شباب پر پہنچ جائے تب اس کے شیریں پھل سے خود بھی مستفید ہوا کرو اور دیگر ابنائے نوع کو بھی اس پھل سے متمتع ہونے کا موقع فراہم کرو' جو خود اتنے کٹھن مراحل سے گزر کر یہ ثمر حاصل نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق و بصیرت سے نوازے کہ ہم اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم'

(باقی صفحہ ۹۴ پر)

علّامہ اقبال کے ایک شعر کی تشریح

از سید عبد العزیز بخاری

"تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات!"

محولہ بالا شعر میں علامہ اقبال علیہ الرحمتہ یہ ازلی حقیقت واضح کرتے ہیں کہ اس کائنات میں زندگی کا انحصار جدوجہد سے قوت حاصل کرنے میں مضمر ہے۔ جو بھی اس حقیقت سے صرفِ نظر کرے گا وہ زندگی کے مفہوم اور اس کی لذتوں سے نا آشنا رہے گا اور موت اس کا مقدر ہوگی۔ علامہ کے ہاں زندگی صرف سانس کی آمد و رفت کا نام نہیں بلکہ زندگی جدوجہد اور قوت کے اظہار کا دوسرا نام ہے۔ اسی طرح اقبال کے نزدیک موت صرف سلسلۂ تنفس کا انقطاع نہیں بلکہ جمود کی کیفیت میں مبتلا اور خودی سے عاری وجود جس میں تخلیقی صلاحیتیں مفقود ہوں مردہ ہے۔ نیز وہ اپنے مقصد حیات اور عقائد کے مطابق عملی زندگی نہ گزار سکنے کی حالت کو بھی موت سے تعبیر کرتے ہیں :

۱) اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِ آدم ہے ضمیرِ کن ' فکاں ہے زندگی

۲) وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا
یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے

گویا زندگی نام ہے قوت تخلیق کا' طاقت و جبروت کا ------ اور موت بے عملی' جمود' کمزوری یا ضعیفی کا نام ہے۔

اس نقطہ کو سمجھنے کے لئے اگر آپ مظاہر فطرت پر نظر دوڑائیں تو یہ حقیقت ہمارے

مشاہدے میں آتی ہے کہ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگلتی دکھائی دیتی ہے۔ جنگل میں شیر اپنے سے کمزور و ناتواں جانوروں کو چیرتا پھاڑتا دکھائی دیتا ہے۔ باز اپنے پنجوں میں کنجشکِ فرومایہ کو دبوچتا نظر آتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے ندی نالے دریاؤں کا اور دریا سمندروں کا پیٹ بھرتے نظر آتے ہیں۔ الغرض یوں نظر آتا ہے کہ قدرت نے زندہ رہنے کا حق صرف اسے ہی تفویض کیا ہے جو کما حقہٗ اس کی قوت اور صلاحیت رکھتا ہے۔

یہ تو ہیں تکوینی قوانین۔ انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے اس لئے اس پر تشریعی قوانین کا بھی اطلاق ہوتا ہے جس کی وضاحت کا یہ موقع نہیں ہے۔ تاہم جرمِ ضعیفی کی سزا سے انسان بھی بچ نہیں سکتا اگرچہ اس کا پیمانہ جدا ہے۔ انسان کے لئے ضعف یہ ہے کہ وہ اپنا مقصد زندگی ' اپنے عقائد اور نظریات حیات کو یکسر فراموش کر کے اس کے مبادیات پر عمل کرنا چھوڑ دے اور بے عملی اور کہالت و جمود کی زندگی گزارے۔ ایسا انسان ایک چلتی پھرتی لاش کی مانند ہے۔

یہی اصول قوموں پر بھی منطبق ہوتا ہے۔ جو قوم بھی اپنے نظریۂ حیات پر عمل پیرا نہ ہو گی اور اس کے حصول کے لئے جدوجہد نہ کرے گی وہ بالآخر صفحہ ہستی سے مٹ جائے گی اور موت اس کا مقدر ہو گی۔ اس میں کوئی تخصیص نہیں کہ نظریۂ حیات کونسا ہو۔ وہ جو نظام حیات بھی اپنے لئے پسند کرے ' خواہ وہ سرمایہ دارانہ نظام ہو ' اشتراکی سوشلسٹ نظام یا کوئی اور ---- اس کے ساتھ صدق دل سے وابستگی اور اس کے اصولوں اور مبادیات پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونا ہی کامیابی اور حصول قوت کی دلیل ہے۔ جونہی کوئی قوم اپنے نظریہ حیات کا دامن چھوڑ دیتی ہے اس کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور وہ کرچی کرچی ہو جاتی ہے۔ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ روس دنیا میں ایک سپرپاور کی حیثیت سے دندناتا پھرتا تھا مگر اپنے اشتراکی نظریات سے انحراف کی وجہ سے وہ سپرپاور اب ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ضعف کا شکار ہو چکی ہے۔

اب آیئے امتِ مسلمہ کی طرف۔ ہم نے جب تک اپنے مقصدِ زندگی اور نظریۂ حیات کے ساتھ وابستگی قائم رکھی اور اس کے لئے جدوجہد کرتے رہے ہماری شان یہ تھی کہ ہم

نے عرب کے صحراؤں سے اٹھ کر ساری دنیا پر اپنی قوت و طاقت کا سکہ بٹھا دیا اور اپنی حشمت و شوکت کا دبدبہ قائم کیا' غیر مہذب دنیا کو ایک اعلیٰ تہذیب و تمدن سے روشناس کیا' اسے علم و ادب' سائنس اور تحقیق کی روشنی عطا کی۔ دنیا کو توحید' عدل و مساوات اور انسانی حقوق کا سبق پڑھایا اور اس طرح اسے انسانیت کی معراج دکھلائی۔ لیکن جب ہم نے اپنے مقصدِ زندگی اور نظام حیات سے روگردانی اختیار کی' علمی و عملی میدان میں جمود و تعطل کا شکار ہوئے' بے اتفاقی اور فرقہ پرستی کی لعنت میں گرفتار ہوئے تو ضعف و کمزوری میں مبتلا ہو کر بالآخر غیروں کی غلامی کا شکار ہوئے۔ وہ امتِ مسلمہ جس نے دنیا کو عدل و مساوات اور انسانی حقوق کے چارٹر سے روشناس کیا آج اس قدر کمزور اور لاچار ہو چکی ہے کہ آج ہمیں غیر اقوام انسانی حقوق کا درس دینے لگی ہیں اور آج ہم پر بنیاد پرستی کی پھبتی کسی جا رہی ہے۔ کس قدر ستم ظریفی ہے کہ ہم تو اپنی بنیاد ہی بھلا بیٹھے ہیں مگر پھر بھی بنیاد پرست کہلاتے ہیں اور وہ جو شیطانی طاقت کے نشہ میں مست انسانیت کی بنیادوں کو ہی کھوکھلا کر رہے انسانی حقوق کے داعی و پاسدار کہلاتے ہیں۔

ہمارے ملک پاکستان کی تو بنیاد ہی ایک نظریہ پر رکھی گئی ہے اور وہ ہے نظریہ نظامِ اسلام۔ اسی کا دوسرا نام نظریہ پاکستان ہے۔ افسوس کہ ہم تاحال اس نظریہ پر قائم نہ ہو سکے نہ ہی اپنی زندگیوں کو اس کے مطابق ڈھال سکے' جس کے نتیجہ میں ہم کمزور سے کمزور تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اگر ہم اپنے نظریہ حیات پر مضبوطی سے قائم رہتے تو یقیناً آج ہم ایک طاقتور قوم ہوتے اور ہمارا ازلی دشمن بھارت بار بار ہمیں اپنی جارحیت کا شکار نہ بناتا۔ نہ وہ ہم سے مشرقی پاکستان کو علیحدہ کر پاتا اور نہ ہی ہمارے کشمیری مسلمانوں پر جو ظلم و ستم وہ ڈھا رہا ہے اور بے گناہ مسلمانوں کا بے دریغ خون بہا رہا ہے اور پھر عصمت مآب بیبیوں کے دامن چاک کر رہا ہے اسے ایسا کرنے کی جرأت ہوتی اور مسئلہ کشمیر کب کا حل ہو چکا ہوتا۔

حسنِ اتفاق سے ہم نے تھوڑی سی ایٹمی صلاحیت حاصل کر لی ہے مگر دنیا کی واحد سپر پاور امریکہ اور منی سپر پاور بھارت جو خود تو ایٹمی ہتھیاروں کے انبار لگا رہے ہیں' ہم پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ ہم اپنی حاصل کردہ ایٹمی صلاحیت کو رول بیک کر کے ختم کر دیں تاکہ ہم

امریکہ کے دست نگر بن کر رہ جائیں اور بھارت کے لئے تر نوالہ۔

میری مینائے غزل میں ہے ذرا سی باقی
شیخ کہتا ہے کہ وہ بھی حرام ہے اے ساقی!

ہمیں اپنے دشمنوں کی چالوں سے باخبر رہنا چاہئے اور ہرگز ہرگز ایٹمی صلاحیت سے دستبردار نہیں ہونا چاہئے۔ ورنہ خدانخواستہ ہم ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔ اگر ہم کمزور نہ ہوں گے تو کوئی دوسرا ہم پر اپنی شرائط مسلط نہ کر سکے گا۔

یاد رکھئے، کمزوری ہمیشہ جارحیت کو دعوت دیتی ہے! ہماری کمزوری اور ضعف کی دوسری بڑی وجہ اپنے دستورِ حیات یعنی قرآن حکیم کے احکامات سے روگردانی ہے۔ قرآن کریم نے سب مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا کر محبت واخوت کا سبق دیا مگر ہم اپنے ہی بہن بھائیوں کے گلے کاٹ رہے ہیں اور قتل وغارت کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ قرآن کریم نے ہمیں آپس میں اتحاد و اتفاق قائم کرنے اور تفرقہ بازی سے منع کیا ہے مگر ہم تفرقہ بازی، افتراق وانتشار اور صوبائی ولسانی تعصبات کا شکار ہو گئے۔ قرآن کریم نے ہمیں علم وحکمت کے حصول اور اس کائنات کو مسخر کرنے کی تلقین کی مگر کس قدر رنج وافسوس کا مقام ہے کہ علوم وفنون تو درکنار ہماری معمولی شرح خواندگی بھی دنیا کے تمام ممالک سے کم تر ہے۔ غرض ہم ہر قسم کی اخلاقی پستی، جہالت، بے راہ روی اور باہمی منافرت کا شکار ہو کر ملت کی وحدت کو پارہ پارہ کر رہے ہیں۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر!

ظاہر ہے کہ جب ہم ان تمام علمی، اخلاقی اور روحانی اقدار سے جن سے زندگی کے سوتے پھوٹتے ہیں دور ہوتے چلے جائیں گے تو پھر بقول علامہ اقبال مرحوم ہمارے اس جرم ضعیفی کی سزا بجز مرگِ مفاجات اور کیا ہو سکتی ہے؟

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر ہم نے اس مرگ مفاجات سے بچنا، زندہ رہنا اور زندہ قوموں میں شمار ہونا ہے تو پھر علمی، اخلاقی، روحانی اور مادی قوت کا حصول لازمی ہے جس

کے لئے کم از کم مندرجہ ذیل اقدامات ضروری ہیں :

۱۔ نظریہ پاکستان کے ساتھ سختی سے وابستگی اور اس کے مطابق انفرادی و قومی زندگی گزارنے کا عزم بالجزم۔
۲۔ ملک میں افراتفری اور انتشار ختم کر کے سیاسی و معاشی استحکام لانا۔
۳۔ صوبائی و لسانی تعصبات ختم کر کے اور مذہبی تفرقہ بازی سے نجات حاصل کر کے قائد اعظم کے اصولوں 'ایمان' اتحاد اور تنظیم پر عمل پیرا ہو کر ایک پاکستانی قوم بننا۔
۴۔ جدید ترین سائنسی' فنی اور ٹیکنیکل علوم کی ترویج کے لئے درسگاہوں کا فروغ اور انگریزوں کے دیئے ہوئے موجودہ نظام تعلیم کو ختم کر کے اپنے قومی و ملی تقاضوں کے مطابق جدید نظام تعلیم کا اجراء۔
۵۔ پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کے ساتھ ساتھ اس کی جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کے لئے' جس میں کشمیر بطور شہ رگ شامل ہے' افواج پاکستان کو جدید ترین اسلحہ سے لیس کرنا اور اپنی بری' بحری' فضائی افواج کو ناقابل تسخیر بنانے کے لئے ہر قیمت پر ایٹمی طاقت کا فروغ تاکہ دشمن ہماری طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت بھی نہ کر سکے۔
۶۔ دوسرے ممالک پر انحصار کی بجائے خود انحصاری کی پالیسی اپنانا اور تمام اسلامی ممالک کے ساتھ ہر قسم کے برادرانہ روابط بڑھا کر انہیں متحد کر کے ایک مضبوط اسلامی بلاک بنانا تاکہ مسلم امہ اغیار کے چنگل سے نکل کر دنیا کی ایک سپر پاور بن سکے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر!

۷۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ مغربی تہذیب کی بیخ کنی اور اسلامی تہذیب کا احیاء اور فروغ اور قرآنی تعلیمات پر عمل کرنا۔

یاد رہے کہ امتِ مسلمہ کے لئے مادی قوت کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور روحانی قوت کا حصول لازم و ملزوم ہے تاکہ اس قوت کے حصول سے ہم پہلے اپنے ملک میں اور پھر سارے جہان سے ظلم و جور مٹانے اور عدل اجتماعی کے فروغ میں مدد لے سکیں۔

یہی ہے نظریہ پاکستان کا تقاضا اور اسی سے تکمیلِ پاکستان وابستہ ہے۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا ' عدالت کا ' شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا!

شرعی پردہ ---ایک قابلِ تقلید مثال

حلقہ خواتین تنظیم اسلامی کراچی سے منسلک ایک خاتون کا اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے نام خط جو بہت سی دوسری خواتین کے لئے مینارۂ نور بن سکتا ہے

محترم بھائی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان گھرانے میں پیدا فرمایا اور ہمیں کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ پڑھنا نصیب فرمایا۔ دیکھا جائے تو یہ کلمہ ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک معاہدہ ہے جس کی رو سے ہم پابند ہیں کہ اپنے انفرادی اور اجتماعی معاملات میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند و ناپسند کو فوقیت دیں۔ اس کلمے کو زبان سے ادا کرنے کے بعد ہم پر لازم ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکامات کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیں اور ان کو بجالانے کی حتی الامکان کوشش کریں' چاہے ہمارا نفس انہیں پسند کرے یا ہمیں اپنے اوپر جبر کرنا پڑے' چاہے ان کی بجا آوری آسان ہو یا اس کے لئے ہمیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے' چاہے ان احکامات پر عمل کرنے کی وجہ سے ہمارے رشتے دار ہم سے ناراض ہی کیوں نہ ہو جائیں اور چاہے زمانے اور برادری کا رواج ان کے بالکل برعکس ہی کیوں نہ ہو۔

محترم بھائی! جب سے میں نے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کی ہے مجھ پر یہ بات دن بدن واضح ہوتی چلی گئی کہ قرآن حکیم کی رو سے ایک مسلمان عورت پر پردہ کرنا لازم ہے۔

کونسا پردہ؟ رواجی نہیں، بلکہ شرعی پردہ۔ (ایک مسلمان عورت کو کن کن مردوں سے پردہ کرنا چاہئے؟ اس کی تفصیل منسلکہ ہینڈ بل میں درج ہے)۔ ان تعلیمات پر اب تک عمل نہ کرکے میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا مجرم سمجھتی رہی ہوں۔ گو کہ اس سلسلے میں ایک رکاوٹ حالات کی عدم موافقت تھی لیکن اصل سبب میری اپنی کم ہمتی تھی۔

ایک حدیثِ قدسی کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندے تُو دنیا کو راضی کرنے کی خاطر مجھے ناراض کر دیتا ہے اور دنیا بھی تجھ سے راضی نہیں ہوتی۔ اگر تو مجھے راضی کرنے کے لئے دنیا کی ناراضگی کی پرواہ نہ کرے تو میں تو راضی ہوں گا ہی دنیا بھی تجھ سے راضی ہو جائے گی۔ چنانچہ اب میں نے عزم مصمم کرلیا ہے کہ حالات چاہے کیسے بھی ہوں میں اپنے رب کو مزید ناراض نہیں کروں گی، کیونکہ ہم میں سے ہر ایک کو مرنے کے بعد اللہ کے حضور انفرادی طور پر اپنے اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ وہاں کوئی بھائی کسی بہن کے کام آئے گا نہ کوئی باپ اپنی بیٹی کے۔ میں چاہتی ہوں کہ روز محشر جب میرا محاسبہ ہو تو میں عرض کر سکوں کہ یا اللہ تیرے دین کی خاطر جو کچھ بھی میرے بس میں تھا میں نے کیا۔ جہاں جہاں میرا اختیار تھا وہاں وہاں میں نے تیرے احکامات پر عمل کرنے کی امکان بھر کوشش کی تھی۔

مجھے احساس ہے کہ میرا یہ فیصلہ آپ کے لئے بہت ہی حیران کن اور بعض معاملات میں مشکلات کا باعث ہو گا۔ لیکن یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہی میں ہمارے لئے دنیا و آخرت کی فلاح مضمر ہے۔

اللّٰھم ثبِّت اقدامَنا علٰی دینک، اللّٰھم ثبِّت اقدامَنا علٰی طاعَتک

والسلام مع الاکرام

آپ کی دینی بہن

بے تیغ سپاہیو!

ضرب مومن کیلئے شمشیر قرآنی کا استعمال ضروری ہے

—— از : محمد سمیع، کراچی ——

آپ کو اسلحے کی تلاش ہے؟ خوش آمدید! ضرور تلاش کیجئے!! جی ہاں میرے پاس ایک اسلحہ تو ہے لیکن اسے تلاش آپ کو کرنا پڑے گا۔ نہیں ملا وہ اسلحہ آپ کو؟ یقیناً آپ کو وہ اسلحہ مل ہی نہیں سکتا' حالانکہ وہ آپ کی نظروں کے سامنے ہے اور وہ خود دیدہ ور کی تلاش میں ہے کہ ہم لوگ اسے بھول چکے ہیں۔ حالانکہ یہ وہ اسلحہ ہے کہ جس کے ضرب کاری سے شیطان لعین کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ شیطان جو ہماری رگوں میں خون کی طرح گردش کر رہا ہے اور جس نے ہمارے خون کو اتنا گرم کر دیا ہے کہ ہم آپے سے باہر ہو کر اپنے ہی کلمہ گو بھائیوں کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ بظاہر وہ ہمارے اسلحے سے ہلاک ہو رہے ہیں' لیکن اصلاً یہ ابلیس کے ضرب کاری سے لہولہان ہو رہے ہیں۔ ہماری رگوں میں شیطان کی گردش نے ہمارے دماغ کی شریانوں کو بھی متاثر کیا ہوا ہے۔ نتیجتاً ہمارے دماغ سازشوں کے اڈے بنے ہوئے ہیں۔ ہمارا دماغ جو ایک مومن کا دماغ ہونا چاہئے تھا کہیں پنجابی کا دماغ بنا ہوا ہے تو کہیں سندھی کا' کہیں پٹھان کا دماغ بنا ہوا ہے' کہیں بلوچ کا اور کہیں مہاجر کا۔ اور ہر دماغ ایک دوسرے کے خلاف سازشوں میں مصروف ہے۔ یہ بیماری پہلے بنگالی مسلمان کے دماغ میں پیدا ہوئی اور دنیا کی سب سے بڑی مسلم مملکت دولخت ہوئی۔ اب کہیں سندھو دیش کی صدائیں ہیں تو کہیں مہاجر صوبہ کی آواز ہے۔ اغیار تاک میں ہیں کہ کب انہیں موقع ملے اور کب وہ بقیہ ماندہ مسلم مملکت کے ٹکڑے کر دیں۔ ہمارا اسلحہ جو دشمن کے خلاف استعمال ہونا چاہئے تھا ہمارے ہی گھروں میں اونچے اونچے مقامات پر منتظر ہے کہ اسے استعمال کیا جائے۔ لیکن ہم لوگ اس اسلحے سے

غافل ہیں۔ اتنا قیمتی اسلحہ جس کے استعمال سے نہ صرف یہ کہ ہم خود مومن بن سکتے ہیں بلکہ ایٹم بم کے استعمال کی دھمکی دینے والوں کو' 16۔F روکنے والوں کو' ایٹی توانائی سے ہمیں بہرہ ور نہ ہونے دینے والوں کو' بلکہ ان کو بھی جو ان سب کی پشت پر ہمارے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں' مسلمان بنا سکتا ہے۔ یہ اسلحہ ان لوگوں کے خلاف بھی استعمال ہو سکتا ہے جو اس ملک میں لسانی' علاقائی اور مذہبی فرقہ واریت پھیلانے میں مصروف ہیں اور ان کو بھی ہدایت کی راہ پر لگا سکتا ہے جو اس ملک کو سیکولرزم کی راہ پر ڈالنا چاہتے ہیں۔ جی ہاں' ہمارا وہ اسلحہ یہ "قرآن کریم" ہی ہے۔ آپ خوب سمجھے۔ یہ قرآن کریم ہی ہے جو لوگوں کی فکر میں انقلابی تبدیلی پیدا کر سکتا ہے۔ میرے فوجی بھائیو' میرے رینجرز کے نوجوانو اور میرے سپاہیو۔ اس اسلحہ کو استعمال کرنا سیکھو۔ اگر تم نے اس اسلحہ کو استعمال کرنا نہ سیکھا تو ہر آنے والی حکومت تمہیں اپنے ہی بھائیوں کے خلاف استعمال کرتی رہے گی اور تم نفرت کا نشانہ بنتے رہو گے۔ اس اسلحے کو پہلے اپنے سرکش نفس کے خلاف استعمال کرو۔ پھر اس اسلحے کو لوگوں میں بانٹو۔ اس سے محبت' اخوت اور صبرو تحمل اور رواداری کی گولی چھوٹے گی جس کے ذریعے معاشرہ فساد سے پاک ہو گا' تفرقہ سے پاک ہو گا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا" یعنی "اللہ کی رسی (قرآن کریم) کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں نہ پڑو۔" اللہ تمہارا حافظ و ناصر ہو۔

بقیہ : نظریۂ انقلاب پر مخاطبین کا ردِ عمل

جو لاریب کل انسانیت کے لئے مینارۂ نور ہیں' کی سیرت پاک سے مراحل انقلاب سمجھیں اور ان پر عمل پیرا ہو کر دین حق کو غالب کر سکیں' تاکہ نظام باطل جو انسانوں کی عظیم تر اکثریت کو شکم کی فکر میں مبتلا کر کے ان کے خالق و مالک سبحانہ وتعالیٰ سے دوری کا باعث بنا ہوا ہے' خس و خاشاک میں مل کر نابود ہو جائے اور دین کل کا کل اللہ ہی کے لئے ہو جائے۔ آمین یا رب العالمین واحکم الحاکمین!○○

خطوط و نکات

رفقاءِ تنظیم اسلامی کیلئے چند لمحاتِ فکریہ

اسلامی جمعیت طلبہ کے ایک فعال کارکن کا خط

امیر تنظیم اسلامی کے نام

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'!

خدا کرے آپ ایمان و صحت کی بہترین حالتوں میں رہتے ہوئے رضائے الٰہی کے حصول کے لئے کوشاں ہوں۔

ماہ اپریل میں آپ سے ایک تفصیلی ملاقات ہوئی تھی جو آپ کی محبت کے سبب میرے لئے بڑی یادگار اور موثر رہی تھی۔ اس وقت آپ نے اپنی کچھ کتب ہدیتاً مجھے دی تھیں جن میں سے بیشتر کا مطالعہ کر چکا ہوں۔ اس دوران تسلسل سے دفتر تنظیم اسلامی ---- سے رابطہ بھی رہا اور ---- صاحب سے ڈسکشن بھی ہوتی رہی۔ "میثاق" اور "ندائے خلافت" کا مستقل قاری ہوں۔ اس وقت سے تحریک اسلامی اور اقامت دین کے کام کے بارے میں سوچ و بچار جاری ہے۔ جماعت اسلامی اور جمعیت کی کیفیت' دیگر دینی جماعتوں کی صورتحال' تنظیم اسلامی اور تنظیم الاخوان کے بارے میں سوچتا رہا۔ الحمد للہ کہ اس بات پر یکسوئی بڑھتی جا رہی ہے کہ اصولی انقلابی کام وہی ہے جو جماعت اسلامی نے ابتدائی سالوں میں کیا تھا اور جس سوچ اور فکر پر آج تنظیم اسلامی آگے بڑھ رہی ہے۔ جماعت اسلامی کی فکری اور عملی غلطیوں کے بارے میں آپ نے جو تجزیئے کئے ہیں ان پر خوب غور کیا ہے اور میں انہیں درست سمجھتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے جن غلطیوں کی نشاندہی کی ہے اور بعض اہم معاملات میں جو اجتہاد کیا ہے اگر جماعت کی قیادت انہیں سمجھے اور اس کے مطابق اصلاح کی کوشش کرے اور نیا لائحہ عمل تشکیل دے تو انشاء اللہ وہ پھر عالم اسلام کی نمائندہ تحریک اسلامی بن سکتی ہے۔ مجھے آپ کے تین اہم خیالات سے پورا اتفاق ہے

یعنی رجوع الی القرآن' منہج انقلاب نبوی ؐ اور آج کے دور میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا طریق کار اور رجوع الی الخلافت۔ اسی طرح انتخابات کو خیرباد کہنا اور بیعت کا طریقہ اختیار کرنا اور Cadres پر مبنی تنظیم' اقامت دین کے کام کی اہم ضرورتیں ہیں۔ یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی اپنے رواتی اور ٹھوس انقلابی فکر اور طریقہ کار کو تقریباً چھوڑ چکی ہے اور ایک طویل عرصہ گومگو کی کیفیت میں رہنے کے بعد اس نے اپنی نئی حکمت عملی مرتب کرلی ہے جو سیاسی نوعیت کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جماعت کی موجودہ قیادت اور بالخصوص خرم مراد صاحب قیام پاکستان کے بعد طریقہ کار کی تبدیلی اور اس کے نتائج کو سمجھ چکے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس وقت جماعت سے کچھ غلطیاں ہوئی ہیں لیکن بدقسمتی یہ کہ چونکہ اب وہ ۳۰'۴۰ سال کے کام کو غلط نہیں کہنا چاہتے لہٰذا اسی اصولی طریقہ کار کی طرف لوٹنے کے بجائے انہوں نے تحریکی مسائل میں "اجتہاد" کا راستہ اپنالیا ہے اور محترم خرم صاحب کا کہنا ہے کہ ۴۷ء کے بعد ہم نے طریقہ کار میں جو تبدیلی کی تھی یعنی انتخابی سیاست اور عوامی سطح پر کام کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اس کے لئے موجودہ تنظیمی ڈھانچہ درست نہیں ہے۔ بات ایک اعتبار سے تو درست ہے مگر افسوس یہ کہ ان کے نزدیک غلطی طریقہ کار کی تبدیلی نہیں بلکہ تنظیمی ڈھانچہ کی ہے۔ لہٰذا اس معاملے میں گذشتہ ۴'۵ سالوں سے قاضی صاحب اور ان کے رفقاء نے خاصی کوشش کی ہے کہ موجودہ تنظیمی ڈھانچے کو بدلا جائے اور کھول دیا جائے اور عوامی رابطہ کرکے اقتدار بہرصورت حاصل کیا جائے اور انتخابات سے نکلنے کے بجائے اپنے ڈھانچے اور طریقہ کار کو اس کے مطابق بنا کر فیصلہ کن سیاسی جدوجہد کی جائے۔ اسی بنا پر محترم طفیل صاحب' نعیم صدیقی صاحب اور دیگر پرانے اکابرین کا اختلاف چلتا رہا اور اس پر خوب لے دے ہوئی۔ بیانات و استعفوں کے بعد اب جماعت اس بحران سے نکل گئی ہے۔ کچھ لوگ خاموش ہوگئے ہیں اور کچھ باہر نکل گئے ہیں۔ تحریکی مسائل میں اجتہاد کا راستہ زیادہ تر سوڈان میں اخوان المسلمون کی ڈاکٹر حسن ترابی صاحب کے زیر قیادت اہم پالیسیوں میں تبدیلی کے باعث اختیار کیا گیا ہے۔ انہوں نے چار اہم فیصلے کئے ہیں۔

۱۔ اخوان المسلمون کا نام ختم کرکے نیشنل اسلامک فرنٹ بنایا گیا ہے۔

۲۔ درجہ بندی (Cadres) ختم کر کے ممبر شپ کو ہر خاص و عام کیلئے کھول دیا گیا ہے۔
۳۔ شوریٰ کے فیصلوں کو اخفاء میں رکھنے کے بجائے اس کے اجلاس و فیصلے اخبارات میں شائع کئے جائیں گے۔
۴۔ جمہوری نظام کی مخالفت کے بجائے اس سے ہم آہنگی پیدا کی جائے گی اور کامیابی کے لئے جمہوری ذرائع اختیار کئے جائیں گے۔

چنانچہ اب امیر کے بجائے سیکرٹری جنرل کا عہدہ بنایا گیا ہے اور مجلس شوریٰ کے بجائے ایڈمنسٹریٹر بیورو اور پولٹ بیورو کے ادارے بنائے گئے ہیں جو انتظامی اور سیاسی مسائل کو علیحدہ علیحدہ deal کریں گے۔ اگست ۹۶ء کے ترجمان القرآن میں سوڈان میں تحریک اسلامی کی نئی سیاسی حکمت عملی کے بارے میں مضمون چھپا ہے جو بڑا اہم ہے۔ اسی کی پیروی میں محترم خرم صاحبؒ نے اسلامک فرنٹ اور پاسبان کے نقشے جماعت کے سامنے رکھے تھے۔ رکنیت اوپن کرنے کے معاملے میں شوریٰ میں خاصی مخالفت ہوئی اور ارکان بھی بمشکل یہ کڑوی گولی نگلیں گے اس لئے ارکان کے سامنے کھول کر اس فیصلے کو بیان کرنے کی ہمت نہ کی گئی اور متبادل پلیٹ فارم بنائے گئے' جس پر اختلافات چلتے رہے مگر اب جماعت "تحریک بیداری ملت" کے نام سے نئی سیاسی حکمت عملی کا آغاز کر رہی ہے جس کے مطابق کھل کر سیاسی کام کیا جائے گا اور مختلف لوگوں کو نئے پلیٹ فارم پر جمع کر کے انتخابات میں حصہ لیا جائے گا۔ اگرچہ مجھے کامیابی کی توقع تو نہیں مگر بالفرض کامیابی کی صورت بن بھی گئی کہ قاضی صاحب بہت متحرک شخصیت اور پر عزم انسان ہیں تو بھی مکمل اسلامی انقلاب نہ آ سکے گا اور صرف ۵۰' ۶۰ فیصد مثبت تبدیلی آئے گی۔ بہرحال اس تفصیل کو بیان کرنے سے مقصد یہ تھا کہ جماعت بجائے انتخابات سے نکلنے کے مزید اس کی طرف بڑھ گئی ہے اور آئندہ شکست کی صورت میں مجھے اس بات کا خدشہ ہے کہ کارکنوں میں مسلح تصادم کے جذبات بھی پیدا ہو سکتے ہیں اور بڑی تعداد میں عسکری تربیت یافتہ نوجوان بھی موجود ہیں۔ یہ سب کچھ اسی لئے ہوا ہے کہ سید مودودیؒ آخری مرحلے کی واضح تصویر پیش نہ کر سکے اور انتخابات کو آخری مرحلہ سمجھ بیٹھے جو جماعت کے لئے آج تک آخری مرحلہ ثابت نہ ہو سکا مگر کوئی متبادل راستہ بھی جماعت کو نظر نہیں آ سکا اور مولانا کے بعد اور کوئی مفکر بھی

دستیاب نہ ہو سکا اگر کسی درجے میں کوئی فکری رہنمائی دینے والا ملا بھی ہے تو وہ محترم جناب خرم مراد صاحب ہیں جو "اجتہاد" کر رہے ہیں مگر سیاسی حکمت عملی کے معمار ثابت ہو رہے ہیں نہ کہ اصولی' انقلابی طریقے کی طرف پلٹنے والے۔

میں نے یہ بات بھی محسوس کی ہے کہ جماعت اور جمعیت کی قیادت اور ارکان تک آپ کے افکار نہیں پہنچ سکے۔ عام طور پر تنظیم اسلامی کے افراد یہی سمجھتے ہیں کہ جماعت اور جمعیت کی قیادت ڈاکٹر صاحب کے بارے میں معاندانہ جذبات رکھتی ہے' میں نے اس بات کا خوب جائزہ لیا ہے اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ معاندانہ جذبات جماعت کے وہی لوگ رکھتے ہیں جو ۵۷ء کے سانحہ کے وقت موجود تھے یا مزید چند سال بعد جماعت میں شامل ہوئے تھے۔ مگر جماعت کی موجودہ قیادت جو اسلامی جمعیت طلبہ سے آئی ہے اس کے آپ سے اختلافات میں وہ تلخیاں شامل نہیں ہیں جو پرانے لوگوں کی ہیں۔ میری خواہش رہی ہے کہ جماعت یا جمعیت کے حلقوں میں آپ کا تذکرہ ہو تاکہ مجھے ان حلقوں کے آپ کے بارے میں جذبات کا اندازہ ہو سکے مگر حیرت ہے کہ بہت کم آپ کا تذکرہ ہوتا ہے اور جب بھی تذکرہ ہوا معاندانہ نہیں بلکہ ناواقفانہ انداز میں ہوا ہے۔ جماعت کے لوگوں کو نہ تو اس بات کا پتہ ہے کہ آپ یا دیگر افراد جماعت سے کیوں نکلے تھے اور نہ ہی اس بات کا کہ اب آپ کے افکار و نظریات اور آراء کیا ہیں۔ صرف اتنا پتہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب بھی جماعت سے نکلے تھے اور اسی حوالے سے ہلکی سی ناقدانہ رائے موجود ہے کہ انہیں بیچ میں رہنا چاہئے تھا اور بس اس سے آگے کچھ علم نہیں۔ دراصل جماعت کے اندر بھی اب دوسری اور تیسری نسل آچکی ہے۔ شہروں کی اور بالائی قیادت جمعیت سے فارغ ہونے والے افراد پر مشتمل ہے جس کی آپ سے تلخیاں وابستہ نہیں ہیں مگر آپ کی فکر سے آگاہ بھی نہیں ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ تنظیم اسلامی کی طرف سے بھی جماعت کے افراد کے ساتھ رابطے کی کوئی موثر کوششیں نہیں ہوئی ہیں۔ ظاہر ہے آپ کا فکر دوسروں تک پہنچانا تو آپ کے کارکنوں کا کام ہے۔ لیکن دوسری غلطی اور لاپرواہی بہرحال جماعت کے لوگوں کی ہے کہ وہ اقامت دین کا بلند ترین کام سرانجام دینے جا رہے ہیں تو انہیں اردگرد بھی نگاہ رکھنا چاہئے' رابطہ بھی رکھنا چاہئے وسیع الظرفی کا مظاہرہ بھی کرنا چاہئے مگر افسوس جماعت

اور تنظیم اسلامی میں ابھی تک فاصلے موجود ہیں تعلقات استوار نہیں ہو سکے اور نہ ہی تبادلہ خیال ہو سکا اور اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ تنظیم کا لٹریچر جماعت کے حلقوں میں پہنچے۔ پھر یہ کہ اقامت دین کی سوچ رکھنے والی جو ۳۔۴ دینی جماعتیں پاکستان میں موجود ہیں انہیں قریب آنا چاہئے بالخصوص جماعت اسلامی اور تنظیم اسلامی کو ایک دوسرے کے اجتماعات میں کارکنوں کی سطح پر شرکت اور قیادت کی سطح پر لیکچرز کا اہتمام کرنا چاہئے اس کی زیادہ ضرورت تنظیم اسلامی کو ہے کیونکہ اس کے پاس تازہ فکر موجود ہے جبکہ جماعت نسبتاً تنظیم کی طرف سے لاپرواہ ہے اسے اہمیت نہیں دے رہی۔ سوچتا ہوں کہ پاکستان میں انقلاب کیسے آئے گا تنظیم ابھی بہت پیچھے ہے' محدود ہے مگر صحیح فکر رکھتی ہے جبکہ جماعت بڑی وسیع اور پرانی ہے مگر فکری انتشار کا شکار ہے۔ تنظیم الاخوان اور دعوت وارشاد کے پاس ابھی تحریکی شعور کی کمی ہے۔ خود آپ کے ارشادات کے مطابق پاکستان کے ٹوٹنے کا خطرہ ہے اور آئندہ ۲ سالوں میں کچھ بھی ہو سکتا ہے آخر کیا صورت ہو سکتی ہے کہ چند سالوں میں یہاں ٹوٹ پھوٹ کے بجائے انقلاب آجائے! شاید یہی کہ دعوت کا کام کرنے والی جماعتیں قریب آجائیں اور کسی ایک شخصیت کے تحت اکٹھی ہو جائیں۔ میری شدید خواہش ہے کہ دعوت کا کام کرنے والی جماعتیں قریب آجائیں اور بالخصوص آپ کے افکار سے جماعت کے لوگ آگاہ ہوں۔ اسی ضمن میں کوئی کردار ادا کرنے کے حوالے سے سوچتا رہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ جمعیت کے افراد کو میں دعوت رجوع الی القرآن کی ترغیب دوں۔ منہج انقلاب نبویؐ سے آگاہ کروں اور خلافت کی اصطلاح استعمال کرنے کے لئے قائل کروں۔ اگر میں جمعیت سے استعفیٰ دے دوں تو یہ کام نہیں ہو سکے گا' اس طرح تلخیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور پھر سابقہ تجربات سے ثابت ہے کہ علیحدہ ہونے والوں کے موقف کا علم دوسرے افراد کو نہیں ہو پاتا کیونکہ ایسا ممکن نہیں ہوتا جب کہ نظم کے ساتھ کارکنان کا حسن ظن بھی موجود ہوتا ہے لہٰذا علیحدہ ہونے والا خواہ درست ہو مگر غلط وہی قرار پاتا ہے۔ یہی معاملہ ۵۷ء میں ہوا یہی اب محترم نعیم صدیقی صاحب کے ساتھ ہوا ہے ان کے موقف سے جماعت کے ارکان واقف نہیں ہیں اور ان کے پاس اس کا کوئی موقع بھی نہیں ہے کہ رابطہ تو امیر کا کارکنوں کے ساتھ رہتا ہے دوسروں کا نہیں۔ بہرحال میرے

جمعیت یا جماعت سے کوئی مفادات وابستہ نہیں ہیں۔ جمعیت کے ساتھ اس لئے منسلک رہنا چاہتا ہوں کہ اس کی اصلاح کر سکوں اور بالخصوص آپ کے فکر سے جمعیت کی قیادت اور ارکان کو آگاہ کر سکوں۔ اس لئے کہ بار بار غور کر کے اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کم از کم ایک دفعہ اصلاح احوال کی کوشش ضرور کرنی چاہئے یہ مجھ پر فرض بھی ہے۔ جماعت اسلامی کی اصلاح میرے بس کا روگ نہیں پھر وہ مصلحت پسند ہو چکی ہے مگر نوجوانوں میں انقلابیت زیادہ ہوتی ہے۔ آج بھی کچھ غلطیوں کے باوجود جمعیت میں انقلابیت موجود ہے اس کے ارکان انتہائی متحرک ہیں۔ دعوت کے کام سے محبت موجود ہے۔ ناظم اعلیٰ ناظم صوبہ' ناظم ڈویژن ایسے ذمہ داران ہمہ وقتی کام کر رہے ہیں جبکہ وظیفہ بھی نہیں لیتے۔ ناظم مقام بھی بھرپور وقت دیتا ہے ارکان بھی فعال ہیں۔ اگر کسی چیز کی کمی ہے تو وہ فکری رہنمائی ہے جو آپ کی جانب سے انہیں مل سکتی ہے اگر کوشش کی جائے۔ میرے خیال میں جمعیت کی اصلاح کے مواقع اور امکانات موجود ہیں چنانچہ میری خواہش ہے کہ آپ اپنے تئیں رابطے کی کوشش ضرور کیجئے چاہے خط و کتابت ہی ہو۔ اس سیشن یعنی ۹۴۔۹۵ء کے لئے --- کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی گئی ہے۔ میں اصلاح کی ایک کوشش کا تجربہ ضرور کرنا چاہتا ہوں اگر' یابی ہوئی تو پیش رفت جاری رکھوں گا وگرنہ انشاء اللہ آپ کے ساتھ سفر کا آغاز کروں گا آپ میرے لئے دعا کیجئے گا اور حوصلہ افزائی کرتے رہئے گا۔ میری یہ بھی خواہش ہے کہ آپ کی کچھ کتب جمعیت کے نصاب میں شامل ہو جائیں یا کم از کم لائبریری میں ہی آ جائیں۔

ایک بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگرچہ جماعت اسلامی مصلحت پسندی کا شکار ہو چکی ہے اور انقلابی رنگ چھوڑتی جا رہی ہے مگر اب بھی بڑی تعداد میں انقلابی مزاج رکھنے والے افراد موجود ہیں' فعال لوگ موجود ہیں اور جمعیت میں تو ابھی انقلابیت کا غلبہ ہے اور فکری رہنمائی نہ ہونے کے سبب اس میں کچھ تشدد کا رجحان آگیا ہے جو قابل اصلاح ہے لہٰذا ابھی جماعت اسلامی سے کچھ نہ کچھ توقعات وابستہ کی جا سکتی ہیں بشرطیکہ رہنمائی کی جائے۔ جبکہ دوسری طرف تنظیم اسلامی کے افراد کے پاس اگرچہ فکر تازہ موجود ہے مگر یہ خاصے غیر فعال ہیں دعوت کے کام میں سرگرمی اور انقلابیت نہیں دکھا رہے لہٰذا اس

معاملے پر بھی توجہ کی ضرورت ہے۔ آخر میں کچھ تجاویز پیش خدمت ہیں۔

☆ میرے خیال میں خلافت راشدہ کا نعرہ مزید زور و شور سے عوامی سطح پر بلند کرنے کی کوشش کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے جلسے' چاکنگ ہو تاکہ نام سے تو آگاہی ہو سکے۔ مزید برآں اگر تحریک خلافت' تنظیم اسلامی کے پلیٹ فارم سے چلائی جائے تو زیادہ موزوں ہو گا کیونکہ بہت سارے ونگ بن جانے سے قیادت کی فراہمی اوپر سے نچلے لیول (Level) تک خاصی مشکل ہوتی ہے اور کام تقسیم ہوتا ہے جبکہ تربیت یافتہ افراد کم ہوتے ہیں۔ پھر یہ کہ عام لوگوں کو تنظیم اور تحریک خلافت کا باہمی تعلق سمجھانا بڑا مشکل ہوتا ہے ان کا شعور و فہم محدود ہوتا ہے اور الجھن کا شکار ہوتے ہیں پھر یہ بھی کہ وہ اس طرح تنظیم میں شامل نہ ہوں گے بلکہ تحریک کے معاون رہ کر غیر فعال رہنا ہی پسند کریں گے۔ لہٰذا میری تجویز ہے کہ خلافت کا پیغام تنظیم اسلامی کے پلیٹ فارم سے عام کیا جائے اور جو لوگ اسے قبول کریں انہیں معاون تحریک خلافت کے بجائے "معاون تنظیم اسلامی" بنایا جائے یوں پلیٹ فارم ایک رہے گا اور تنظیم اسلامی میں شمولیت آسان ہو جائے گی۔ پھر ان معاونین کو ہی مبتدی رفیق بنانے کی ترغیب دی جائے گی تو سہولت ہو گی ورنہ معاون تحریک بنا لینے کے بعد انہیں نئے سرے سے تنظیم اسلامی میں شمولیت کی دعوت دینا پڑے گی جس سے وہ ذہنی الجھن کا شکار ہوں گے۔ یوں بھی تحریک کسی ایک پلیٹ فارم سے ہی چلا کرتی ہے۔ جماعت مسلم لیگ تھی اور تحریک پاکستان اس نے برپا کی جو علیحدہ پلیٹ فارم نہ تھا اسی طرح تحریک ختم نبوت اور نظام مصطفیٰ۔ یہ سب تحریکیں تھیں جو کسی جماعت نے برپا کیں علیحدہ فورم نہ تھے جیسے کہ آپ کے یہاں تحریک خلافت علیحدہ فورم ہے۔

☆ خلافت کے ساتھ ساتھ "اتحاد بین المسلمین" کا نکتہ بھی شامل کیجئے اگرچہ آپ کا فکر بھی مختلف لوگوں کو جوڑ رہا ہے۔ مگر باقاعدہ سے ایک نکتہ شامل کر کے لوگوں کو شعور دینے کی ضرورت ہے۔ اس کو خلافت کے ساتھ بھی نسبت دی جا سکتی ہے کہ جب تک خلافت قائم نہ ہو گی "اتحاد بین المسلمین" نہ ہو سکے گا۔ لہٰذا اس نکتے کو باقاعدہ اجاگر کیجئے اور مختلف جماعتوں کے لوگوں کو اس موضوع پر اپنے اجتماعات میں خطاب اور شرکت کی دعوت دیجئے تاکہ باہم ربط پیدا ہو۔

☆ ایک اور گزارش یہ کرنا چاہتا ہوں کہ جس طرح آپ تحریک پاکستان کو احیائی عمل کا حصہ سمجھتے ہیں اسی طرح جہاد کشمیر کو بھی اسی نقطہ نظر سے لیجئے کہ وہ بھی گویا تحریک آزادی ہے مگر مسلم لیگ کی نسبت اس پر دینی رنگ غالب ہے کیونکہ اس کی قیادت ۵۰ فیصد سے زائد جماعت اسلامی کے پاس ہے۔ یہ درست ہے کہ کشمیر کی جنگ جہاد فی سبیل اللہ کے معیار پر پوری نہیں اترتی مگر بہرحال احیائی عمل کا حصہ تو ہے۔ اس ضمن میں آپ "جہاد حریت" کی اصطلاح استعمال کر سکتے ہیں جو بہت موزوں ہے اور غیر متنازعہ بھی۔ یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ جماعت کے لوگوں کے ذہن میں آپ کے حوالے سے یہ چیز موجود ہے کہ آپ جہاد کشمیر کے مخالف ہیں حالانکہ آپ کا نقطہ نظر کچھ اور ہے لیکن چونکہ وہ علمی نوعیت کا ہے لہذا کارکنوں کی سمجھ میں نہیں آئے گا اس معاملے سے صرف علمی حلقوں میں بات ہونی چاہئے۔ مولانا مودودیؒ نے جو اصولی موقف اس وقت اختیار کیا تھا آج تک لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکا اس لئے ایک بات جو آپ کہہ بھی نہیں رہے وہ غلط طور پر لوگوں کے ذہنوں میں بیٹھ رہی ہے جس سے آپ کی دعوت متاثر ہو رہی ہے اس لئے میری گزارش ہے کہ اس حوالے سے اپنے موقف کو واضح کر دیجئے اور علمی مخالفت صرف علمی حلقوں میں کیجئے۔ یوں بھی جماعت کی شوریٰ نے اس بار جو قرارداد پاس کی ہے اس میں "جہاد آزادی" کی اصطلاح ہی استعمال کی گئی ہے۔ لہذا میرے خیال میں یہ بحث چھیڑنا کہ جہاد کشمیر جہاد فی سبیل اللہ ہے یا نہیں غیر ضروری ہے اس کے لئے جہاد حریت کی اصطلاح موزوں ہے اور اسی مناسبت سے آپ اس کی کھل کر حمایت کیجئے تاکہ غلط بات ذہنوں میں نہ پنپ سکے۔

یہ چند گزارشات تھیں جو آپ کی خدمت میں پیش کی ہیں' جواب کا منتظر رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو اقامت دین کا کام ہمیشہ صحیح رخ پر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کام کو ترقی و استحکام بخش دے (آمین)۔ آپ کی جانب سے رہنمائی کا محتاج ہوں۔ براہ کرم رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرمایئے گا۔

رفتارِ کار

تنظیم اسلامی پاکستان کا
انیسواں سالانہ اجتماع

منعقدہ ۲۱/تا ۲۴/ اکتوبر ۱۹۹۴ء

الحمد للہ تنظیم اسلامی پاکستان کا انیسواں سالانہ اجتماع ۲۱/اکتوبر ۹۴ء تا ۲۵/ اکتوبر ۹۴ء بحسن و خوبی انجام پذیر ہوا۔ سالانہ اجتماع کے بارے میں رفقاء کی ایک دیرینہ خواہش اور مطالبہ یہ سامنے آرہا تھا کہ اس موقع پر تنظیمی و تربیتی پروگراموں کے علاوہ کچھ عوامی پروگرام بھی رکھے جائیں۔ دور دراز مقامات سے آئے ہوئے رفقاء و احباب مرکزی سطح پر منظم کردہ ان پروگراموں سے استفادہ کریں گے۔ تنظیم اسلامی کے تعارف و اظہار کا بھی ایک بہترین موقع ہو گا اور شرکاء کے اجتماع ایک جذبۂ نو اور ولولہ تازہ سے سرشار ہوں گے۔ اس کے علاوہ پروگرام کی ترتیب کے موقع پر یہ بھی پیش نظر تھا کہ وہ دینی عناصر یا جماعتیں جن کے پیش نظر اقامتِ دین یا غلبۂ اسلام کی منزل ہے اور اس تک رسائی کے لئے وہ انتخابی کشاکش میں ملوث ہونا مفید نہیں سمجھتے اور اس سے دست کش ہو کر محنت و کوشش کر رہے ہیں ان کے اکابرین کو اجتماع کے موقع پر اظہار خیال کی دعوت دی جائے۔ اس سے ایک طرف تو ان دینی قوتوں کے مابین باہم تعارف' گفتگو اور افہام و تفہیم کا آغاز ہو گا جس سے بعد میں کسی بڑے خیر کے بر آمد ہونے کی توقع ہو سکتی ہے۔ دوسری طرف رفقائے تنظیم اسلامی کے افقِ ذہنی میں وسعت پیدا ہو گی۔

انقلاب اسلامی کے لئے طریق کار ایک انتہائی اہم اور بنیادی مسئلہ ہے۔ اس کو واضح' متعین اور قابلِ عمل صورت میں رفقائے تنظیم اسلامی کے دلوں میں پیوست ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ ہماری خواہش یہ تھی کہ اگر کسی جگہ کوئی کلمۂ خیر ہے تو ہم اس سے استفادہ کریں اور اللہ تعالیٰ نے جس منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ کی طرف ہمیں متوجہ کیا ہے دین

کے لئے دوسرے فکر مند اہل درد کو اس طرف توجہ دلائیں۔

چنانچہ سالانہ اجتماع کا آغاز اگرچہ مورخہ ۲۱/ اکتوبر کو جامع القرآن قرآن اکیڈمی میں امیر محترم کے خطاب قبل از نماز جمعہ سے ہو گیا لیکن اس اجتماع کا پہلا عوامی پروگرام بعد نماز عشاء باغ بیرون موچی دروازہ لاہور میں جلسۂ خلافت کا انعقاد اور اس سے قبل "کاروانِ خلافت" کی صورت میں رفقاء و احباب کا جلسہ گاہ میں پہنچنا تھا۔ دور دراز مقامات سے رفقاء کی آمد کا آغاز تو گزشتہ رات ہی سے ہو گیا تھا لیکن یہ سلسلہ صبح دس گیارہ بجے تک نقطۂ عروج تک پہنچ گیا۔ بیشتر رفقاء اپنی اپنی رہائش گاہوں کے تعین اور دیگر ضروری کاموں سے فراغت حاصل کر کے قبل از خطاب جامع القرآن پہنچ گئے۔ امیر محترم کا خطاب ڈیڑھ گھنٹہ پر محیط تھا اور پروگرام کے مطابق بعد نماز عصر رفقاء و احباب موٹر سائیکلوں' گاڑیوں اور بسوں کے ایک طویل قافلہ (جس کو "کاروانِ خلافت" کا نام دیا گیا) کی صورت میں جلسہ گاہ پہنچے۔ اس قافلہ میں بہت بڑی تعداد مقامی احباب' معاونینِ خلافت اور وابستگانِ انجمن خدام القرآن کی بھی تھی جو کہ صرف آج کے اس پروگرام میں قیام خلافت کی اس جدّ وجہد سے اظہار یک جہتی کے لئے شریک ہوئے۔ جلسہ کے باقاعدہ پروگرام سے قبل بعد نماز مغرب تا عشاء لندن میں حزب التحریر کے زیر اہتمام بین الاقوامی خلافت کانفرنس میں محترم امیر تنظیم اسلامی کی تقریر بذریعہ ویڈیو کیسٹ دکھائی گئی۔

جلسۂ خلافت کا باقاعدہ آغاز بعد نماز عشاء ہوا اور ساڑھے گیارہ بجے تک یہ محفل جاری رہی۔ الحمدللہ یہ ایک بھرپور اور کامیاب اجتماع شمار ہوا۔ سامعین کی تعداد قریباً ساڑھے تین ہزار کے قریب تھی۔ امیر محترم کا خطاب قریباً دو گھنٹے تک ہوا اُس سے قبل نوجوان مقرر مرزا ندیم بیگ اور میجر جنرل (ریٹائرڈ) محمد حسین انصاری صاحب نے موجودہ ملکی و بین الاقوامی صورت حال کے تناظر میں مسلمانانِ عالم کی زبوں حالی اور بے بسی نیز مقتدر طبقات کی اخلاقی پستی اور دین بیزاری کا نقشہ کھینچا۔ امیر محترم نے نظام خلافت کی برکات اور قیامِ خلافت کی نوید احادیث نبویہ کی روشنی میں بیان کی۔

سالانہ اجتماع کا پہلا خصوصی اور باقاعدہ اجلاس ۲۲/ اکتوبر صبح ساڑھے آٹھ بجے تا

ایک بجے دوپہر قرآن آڈیٹوریم قرآن کالج لاہور میں منعقد ہوا۔ اس نشست کے نصفِ اول میں ناظم اجتماع جناب عمران چشتی صاحب کی جانب سے استقبالیہ کلمات کے بعد درج ذیل سالانہ رپورٹس پیش کی گئیں۔

- تنظیم اسلامی پاکستان کی سالانہ رپورٹ ناظم اعلیٰ ڈاکٹر عبدالخالق صاحب نے پیش کی۔
- تنظیم اسلامی بیرون پاکستان کی سالانہ رپورٹ ناظم اعلیٰ برائے بیرون پاکستان سراج الحق سید صاحب نے پیش کی۔
- حلقہ خواتین کی سالانہ رپورٹ جناب حافظ عاکف سعید صاحب نے پڑھ کر سنائی۔

یہ تمام رپورٹس میثاق کے شمارہ برائے نومبر ۹۴ء میں شائع کردی گئی تھیں۔ یہ شمارہ چند روز قبل از وقت تیار کرلیا گیا تھا اور رپورٹس طبع شدہ صورت میں سامعین کے سامنے موجود تھیں۔ اسی نشست کے نصفِ آخر میں ہمارے بعض نوجوان مقررین نے مختلف موضوعات پر مختصر تقاریر کیں۔ یہ سلسلہ تقاریر بھی اس سالانہ اجتماع کا ایک خصوصی پروگرام تھا۔ پیش نظر یہ تھا کہ نئے مقررین کا تعارف ہو اور رفقاء و احباب اس پہلو سے اعتماد کی کیفیت محسوس کریں کہ الحمدللہ نوخیز رفقائے تنظیم کی تعلیم و تربیت نتیجہ خیز ہو رہی ہے اور ہمارے نوجوان مقررین اپنے فکر و دعوت کو بہتر اسالیب میں بیان کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس نشست میں درج ذیل رفقاء نے خطاب کیا :

- اقبال حسین صاحب' امیر تنظیم اسلامی لاہور شمالی — طاغوتی نظام کے تحت تقویٰ کی حیثیت
- شمس العارفین صاحب' امیر تنظیم اسلامی کراچی شرقی II — شہادت علی الناس
- حافظ محمد خالد شفیع صاحب' نقیب اسرہ صادق آباد — فکرِ آخرت

بعد نماز عصر تا مغرب بیرون پاکستان سے آئے ہوئے بعض رفقاء و احباب کا تعارف ہوا۔ انہوں نے اپنے اپنے مقامات پر تنظیمی و دعوتی کیفیت کا بھی مختصر تذکرہ کیا۔

سالانہ اجتماع کے موقع پر دو روز ۲۲/ اکتوبر اور ۲۳/ اکتوبر بعد نماز مغرب تا عشاء کی نشستیں دوسری دینی جماعتوں کے اکابرین کے اظہار خیال کے لئے مختص تھیں۔ اس حوالہ

سے شام کی یہ نشستیں حاضری کے اعتبار سے بہت بھرپور رہیں۔ دوسری جماعتوں کے وابستگان کی کافی تعداد شریک ہوئی۔ پُرہجوم عوامی اجتماعات کی کیفیت پیدا ہو گئی اور قرآن آڈیٹوریم کی تنگ دامانی کا احساس پیدا ہوتا رہا۔ ان دو دنوں میں مندرجہ ذیل مہمان مقررین نے خطاب فرمایا۔

۲۲/اکتوبر

۱۔ مولانا سید جمال الدین کاظمی صاحب — امیر تحریک اسلامی انقلاب
۲۔ برادر جمال ہاروڈ (کینیڈین نومسلم) — نمائندہ حزب التحریر
۳۔ برادر نواز خاں (پاکستانی نژاد برطانوی شہری) — نمائندہ حزب التحریر

۲۳/اکتوبر

۴۔ میجر محمد امین منہاس صاحب — امیر تحریک فہم القرآن
۵۔ مولانا محمد اکرم اعوان صاحب — امیر تنظیم الاخوان پاکستان
۶۔ پروفیسر محمد سعید صاحب — امیر تنظیم الدعوۃ والارشاد
۷۔ برادر فرید قاسم — نمائندہ حزب التحریر

۲۳/اکتوبر بروز اتوار کو اجتماع کی پہلی نشست کا آغاز حسب معمول صبح ساڑھے آٹھ بجے ہوا اور اس نشست کے نصف اول میں مندرجہ ذیل رفقائے تنظیم نے مختلف موضوعات پر مختصر تقاریر کیں :

- جناب عابد جاوید، نقیب اسرہ کراچی غربی — شرک کے ہمہ جہتی پہلو
- جناب سعید اظہر عاصم، نائب امیر تنظیم اسلامی ملتان
- مرزا ندیم بیگ، نائب ناظم حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن — جمہوریت بمقابلہ خلافت
- جناب محمد اشرف وصی، امیر تنظیم اسلامی لاہور شرقی — ایمان اور حیا کا باہمی تعلق
- جناب خالد محمود عباسی، ناظم حلقہ آزاد کشمیر — فریضۂ اقامتِ دین کی جدوجہد میں رکاوٹیں

اس نشست کے نصف آخر میں تحریک خلافت پاکستان کی جنرل باڈی میٹنگ کا اہتمام

ہوا۔ اس میں قریباً بارہ سو معاونین تحریکِ خلافت پاکستان نے شرکت کی۔ ناظم اعلیٰ تحریک خلافت میجر جنرل (ریٹائرڈ) محمد حسین انصاری صاحب نے ایک سالہ کارکردگی کے اہم نکات بیان کئے۔ مرکزی خلافت کمیٹی کے اجلاس میں تحریکِ خلافت کی موجودہ کیفیت اور آئندہ لائحہ عمل پر غور و خوض کی تفصیل بتائی اور مرکزی خلافت کمیٹی کی قرارداد پڑھ کر سنائی۔ اس کے بعد داعیٔ تحریک خلافت امیر تنظیم اسلامی پاکستان نے اس موضوع پر مفصل خطاب فرمایا اور تحریک خلافت پاکستان کے آئندہ تنظیمی ڈھانچہ کی اہم تفصیلات سے معاونینِ تحریک کو آگاہ کیا۔

۲۴/اکتوبر سوموار سالانہ اجتماع کا آخری دن تھا۔ صبح کو اجلاس کی پہلی نشست میں ملتزم رفقاء کے لئے صبح ۸ بجے سے ساڑھے بارہ بجے تک ایک خصوصی نشست کا انتظام کیا گیا۔ یہ نشست قرآن اکیڈمی لاہور میں منعقد ہوئی۔ اس دوران مبتدی رفقاء' معاونین تحریک خلافت اور دیگر احباب کے لئے قرآن آڈیٹوریم میں ہی امیر محترم کے امریکہ میں ایک خطاب کے ویڈیو پروگرام کا اہتمام ہوا۔ ملتزم رفقاء کے خصوصی اجتماع میں قریباً تین سو ملتزم رفقاء نے شرکت کی۔ مختلف حلقہ جات اور مقامات کے ملتزم رفقاء کے گیارہ نمائندوں نے اظہارِ خیال کیا۔ مختلف مسائل تجاویز اور مشورے سامنے آئے جن پر ذمہ دار حضرات توجہ کریں گے۔

اجتماع کی آخری نشست قرآن آڈیٹوریم میں سوا گیارہ بجے شروع ہوئی۔ مرزا ایوب بیگ صاحب امیر تنظیم اسلامی لاہور وسطی نے "موجودہ ملکی اور بین الاقوامی حالات میں رفیقِ تنظیم اسلامی کے فرائض" کے موضوع پر ایک وقیع تحریر پڑھ کر سنائی۔ اس کے بعد امیر محترم کے اختتامی خطاب پر اس سالانہ اجتماع کا اختتام ہوا۔ امیر محترم نے سالانہ اجتماع کی بحیثیت مجموعی کیفیت پر اطمینان بخش تاثر کا اظہار کیا۔ عوامی اجتماعات' دوسری دینی جماعتوں سے ربط و ضبط بالخصوص حزب التحریر کے ساتھ معاملہ میں اطمینان کا پہلو ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے خیر برآمد کرے۔ ملکی حالات کی دگرگوں اور ابتر کیفیت پر شدید اضطراب کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے رفقاء کو ان کی ذمہ داری یاد دلائی۔ تنظیم اسلامی کی مجموعی

کیفیت پر بھی انہوں نے اس پہلو سے اطمینان کا اظہار کیا کہ الحمد للہ پیش رفت ہو رہی ہے ' اگرچہ بہت زیادہ نہیں ' تاہم مسلسل اور پیہم ضرور ہے۔ قریباً ڈیڑھ بجے تک یہ خطاب جاری رہا۔ امیر محترم کے خطاب کے بعد اجتماعی بیعت ہوئی۔ نئے شامل ہونے والے رفقاء نے امیر محترم کے ہاتھ پر بیعت کی اور گویا ایک مرتبہ پھر تجدید عہد کیا۔

اس سالانہ اجتماع میں ۱۱۰۵ رفقاء و احباب شریک ہوئے۔ شام کے عوامی اجتماعات میں روزانہ ۳۰۰ احباب اور معاونین خلافت مزید شریک ہوتے رہے۔ اس کے علاوہ تحریک خلافت کی جنرل باڈی میٹنگ میں شرکت کے لئے ۳۸ معاونین تحریک خلافت مزید تشریف لائے۔

مرتب : چوہدری غلام محمد

ایسکو کمپنی کاروباری معاونت کا بااعتماد ادارہ

مندرجہ ذیل سروسز کیلئے خاص طور پر لاہور سے باہر کاروباری ادارے بھرپور استفادہ کر سکتے ہیں۔

1۔ اگر آپ ٹینڈرز کا کام کرتے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں تو آپ کی پوری نمائندگی۔
2۔ اگر ٹینڈر ورکس میں کہیں L.D پڑ گئی ہو یا سیکورٹی ضبط ہو گئی ہو۔
3۔ اگر فنی خط و کتابت کرنی ہو یا دفتر امور
4۔ اگر آپ رجسٹریشن ' انلسٹمنٹ ' انکم ٹیکس ' چیمبر آف کامرس ' سی سی آئی یا Approval of Brand کے امور کے متعلق جاننا چاہتے ہیں یا وہاں کوئی کام ہے۔
5۔ اگر آپ خدانخواستہ کسی Technical Litigations میں ملوث ہو چکے ہیں اور عدالت میں آنا جانا رہتا ہے۔
6۔ اگر آپ نئی فیکٹری لگانا چاہتے ہیں اس کے دیگر امور ' آزاد کشمیر جہاں ٹیکس چھوٹ ہے۔
7۔ اگر آپ فیکٹری کیلئے سامان ' پرزہ جات وغیرہ خریدنا چاہتے ہیں یا Markiting
8۔ دیگر امور

انشاء اللہ تمام امور نہایت ذمہ داری ' ذاتی دلچسپی اور ایمانداری کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے باہمی اعتماد اور معاملات طے کرنے پر کئے جائیں گے۔ آپ فون پر رابطہ فرمائیں ' شکریہ۔

انجینئر (ریٹائرڈ) محمد سعید

ایسکو ایمینٹ سپلائی کمپنی

333۔این سمن آباد' لاہور--فون : 7588621

رفتارِ کار

چودھری رحمت اللہ بُٹر صاحب کا
دورۂ متحدہ عرب امارات

امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے تقریباً گزشتہ سال متحدہ عرب امارات کے دورہ کے موقع پر العین میں رفقاء کے ایک اجتماع میں اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا تھا کہ چودھری رحمت اللہ بٹر صاحب کو امارات میں درس و تدریس اور تعلیم و تربیت کے لئے آنا چاہئے۔ چونکہ یہاں امارات میں مقیم پاکستانیوں کی اکثریت محنت کش اور فنی کام کرنے والوں کی ہے لہٰذا اس بات کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ مدرس و معلم ایسا ہو جو ان لوگوں کی ذہنی سطح سے قریب تر ہو کر انہی کے ماحول اور گرد و پیش سے مثالیں اور دلائل پیش کر کے اپنی بات کو انکے ذہن نشین کرا سکے اور چودھری صاحب کو اس معاملے میں خاص ملکہ حاصل ہے۔ پھر چونکہ چودھری صاحب مرکزی ناظم بیت المال بھی ہیں لہٰذا حلقہ امارات کے حسابات کی جانچ پڑتال کا کام بھی اس دورہ کا سبب بنا۔ چنانچہ چودھری رحمت اللہ بٹر صاحب مورخہ ۷/اگست کو بذریعہ پی آئی اے لاہور سے دبئی کے انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر صبح ساڑھے دس بجے تشریف لائے۔ ایئرپورٹ پر معزز مہمان کے استقبال کے لئے ناظم حلقہ جناب محمد خالد صاحب اپنے رفقاء کی معیت میں موجود تھے۔ ایئرپورٹ سے شارجہ مرکز کے لئے روانگی ہوئی جو کہ ۲۰ کلو میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ دن آپ نے رفقاء واحباب سے تعارف و ملاقات میں گزارا۔ اگلی صبح یعنی ۸/اگست سے آپ نے حلقہ امارات کے حسابات کی جانچ پڑتال شروع کی۔ مغرب کی نماز کے بعد آپ نے شارجہ تنظیم کے ذمہ داران سے خصوصی خطاب فرمایا اگرچہ دیگر رفقاء بھی اس خطاب سے فیض یاب ہوئے۔ شارجہ مرکز میں ہر سوموار کو بعد صلوٰۃ العشاء درس قرآن مجید ہوتا ہے' آج کے درس کے بارے میں پہلے سے رفقاء واحباب کو اطلاع دی گئی تھی کہ رحمت اللہ بٹر صاحب درس قرآن دیں گے۔ معزز مہمان مقرر کو سننے کے لئے رفقاء واحباب کی کثیر تعداد جمع تھی۔ درس کا موضوع "عبادتِ رب" تھا۔ یہ خطاب تقریباً ایک گھنٹہ کا ہوا۔ حاضرین تقریباً ۷۵ تھے۔

۹/اگست کی صبح کے اوقات میں آپ نے شارجہ تنظیم کے حسابات دیکھے۔ عصر کی نماز کے بعد خالد صاحب کے ہمراہ ابوظبی کے لئے روانہ ہوئے۔ شارجہ ابوظبی کا تقریباً ۲۰۰ کلو میٹر کا فاصلہ ہے۔ مغرب کے وقت ابوظبی مرکز میں آمد ہوئی جہاں پر ابوظبی کے رفقاء معزز مہمان کے منتظر

تھے۔ نماز مغرب کے بعد تعارف اور ملاقات کا سلسلہ شروع ہوا جو عشاء کے بعد تک جاری رہا۔
۱۰/ اگست کو آپ نے ابوظبی تنظیم کا آڈٹ کیا اور بعد العصر ابوظبی تنظیم کے ذمہ دار حضرات سے خطاب فرمایا۔
۱۱/ اگست : آج کے دن سے بعد عصر تربیتی پروگرام شروع ہونے والے تھے جن میں امارات میں مقیم تمام رفقاء کو مدعو کیا گیا تھا۔ رفقاء صبح سے آنے شروع ہو گئے تھے' اس لئے مرکز میں خوب گہما گہمی تھی۔
ٹھیک ۵ بجے تربیتی نشست کا آغاز ہوا۔ ناظم حلقہ جناب محمد خالد صاحب نے معزز مہمان اور رفقاء کا خیر مقدم کیا اور حلقہ امارات کی کارکردگی کا مختصر جائزہ پیش کیا۔
محترم رحمت اللہ بٹر صاحب نے اپنے پہلے لیکچر میں ایمان کو موضوع بنایا۔ آپ نے سورۃ البقرہ کے آخری رکوع کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی اور ایمانیاتِ ثلاثہ جو کہ بنیادی ایمانیات ہیں' یعنی ایمان باللہ' ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرۃ' ان کو تفصیل سے بیان کیا۔ اس کے لئے آپ نے بورڈ کی مدد بھی لی اور ایمان کے ایک ایک جزو کو بورڈ پر لکھ کر اس کی بحث کو سامعین کے ذہن نشین کرایا۔
دوسری نشست بعد مغرب شروع ہوئی۔ اس کی ابتدا میں پہلے تو آپ نے نئے رفقاء کے اصرار پر اپنا ذاتی تعارف کروایا' پھر عبادات کے ذیل میں فرائض و نوافل کی تقسیم کو بورڈ پر چارٹ بنا کر تفصیل سے سمجھایا۔ رفقاء کے لئے یہ پروگرام بہت معلوماتی اور دلچسپ تھا لہٰذا رفقاء کی طرف سے سوالات بھی کافی آئے جن کے جوابات آپ نے قرآن و سنت کی روشنی میں دیئے۔ عشاء کی اذان پر یہ نشست ختم ہوئی' اگرچہ رفقاء کے کچھ سوالات باقی رہ گئے تھے جو اگلی نشست تک اٹھا لئے گئے۔ عشاء کی نماز کے بعد اجتماعی کھانا ہوا۔ کچھ رفقاء مقامی مسجد میں درس قرآن کے لئے رک گئے جہاں پر ہفتہ وار درس قرآن رفیق محترم امجد علی نیر صاحب دیتے ہیں۔
۱۲/ اگست : ناشتہ کے بعد تیسری نشست کا آغاز صبح سوا آٹھ بجے ہوا۔ معزز مہمان نے پہلے تو گزشتہ رات کے رفقاء کے بقایا سوالات کے تسلی بخش جوابات ارشاد فرمائے' پھر اس نشست کے اصل موضوع "عبادت رب" پر گفتگو فرمائی۔ عبادتِ رب: اپنے رب کی بندگی' انفرادی سطح پر بھی اور اجتماعی سطح پر بھی۔ اس کے مختلف عنوانات کو بورڈ پر لکھ کر اس کی تشریح و توضیح فرمائی۔ یہ نشست ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہی۔ اس کے بعد ۱۵ منٹ کا وقفہ ہوا جس میں رفقاء کو چائے پیش کی گئی۔
۱۰ بجے صبح چوتھی اور آخری نشست شروع ہوئی۔ اس میں آپ نے معاشرے میں مروجہ رسم و رواج پر بحث کرتے ہوئے خوشی و غمی کے موقع پر صحیح مسنون طریقے پیش کئے۔ اس گفتگو

کے بعد رفقاء نے بھی کافی سوالات کئے جن کے جوابات مدلل طریقے سے دیئے گئے۔ گیارہ بجے اس تربیتی پروگرام کا اختتام ہوا۔ ناظم حلقہ نے مہمان مقرر اور تمام رفقاء کا شکریہ ادا کیا۔ بعد میں اجتماعی دعا ہوئی۔

اب معزز مہمان کی اگلی منزل العین شہر تھا۔ بعد عصر چند رفقاء کی معیت میں حلقہ کی کار میں العین روانگی ہوئی۔ یہ شہر ابوظبی کے مشرق میں منطقہ مشرقی کا صوبائی دارالحکومت ہے جو اپنی سرسبزی' خوبصورتی اور صفائی کے لئے مشہور ہے۔ ۱۶۰ کلو میٹر کا فاصلہ عصر اور مغرب کی نمازوں کے درمیان ہی طے ہوا۔ ٹھیک مغرب کی اذان کے وقت مسجد ہی میں وارد ہوئے جہاں پر بعد مغرب درس قرآن ہونا تھا۔ مقامی رفقاء و احباب مسجد کے باہر معزز مہمان کے منتظر تھے۔

مغرب کی نماز کے بعد درس شروع ہوا۔ حاضرین کی کثیر تعداد کو دیکھتے ہوئے معزز مہمان نے کھڑے ہو کر خطاب کرنا پسند فرمایا۔ آپ نے سورۂ یٰسین کی چند آیات تلاوت فرمائیں اور ان آیات کی شرح میں بندگیٔ رب پر خطاب کیا۔ آپ کا خطاب آسان الفاظ اور سادہ مثالوں پر مشتمل تھا جو کہ سامعین کو متأثر کر رہا تھا۔ شرکاء کی تعداد ۱۱۰ کے قریب تھی۔

درس قرآن کے بعد العین کے مرکز میں رفقاء اور احباب سے تعارف ہوا۔ یہ تعارف عشاء کی نماز کے بعد بھی جاری رہا اور پھر اجتماعی کھانا کھایا گیا۔ اس دوران العین مرکز کے اثاثہ جات کا حساب کتاب بھی دیکھا۔

۱۳/ اگست : ہفتہ کو صبح دس بجے ابوظبی روانگی ہوئی۔ واپسی پر محمد خالد صاحب نے راستہ تبدیل کرتے ہوئے کار سوئحان کی جانب موڑ لی۔ اگرچہ یہ راستہ طویل تھا لیکن اس راستے میں Humps (سپیڈ بریکر) بہت کم آتے ہیں۔ العین سے سوئحان کی سڑک کے دونوں جانب بڑے بڑے سرسبز لہلہاتے ہوئے فارم بڑا دلکش منظر پیش کر رہے تھے۔ اگرچہ یہ پورا علاقہ صحرائی ہے لیکن جدید دور کی ترقی نے صحرا کو کافی پرے دھکیل دیا ہے۔ راستہ میں ریگستان کا تحفۂ عام یعنی کھجوریں سڑک کی دونوں جانب پورے راستے میں ہیں۔ ان درختوں میں سے مختلف قسم کی کھجوروں کو توڑ کر جمع کیا گیا جن میں میٹھی' رسیلی اور بغیر گٹھلی والی کھجوریں بھی تھیں۔ ابوظبی مرکز پہنچ کر انہیں دھو کر صاف کر کے سب ہی ساتھیوں نے کھایا۔

آج مغرب کے بعد مرکز ابوظبی میں درس قرآن کا وقت مقرر تھا لہٰذا مہمان مقرر ہی نے درس قرآن دیا اور قرآن حکیم اور ہماری ذمہ داریوں کے موضوع پر عشاء کی اذان تک خطاب فرمایا۔ درس کا ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ لوگ دوسرے کمروں اور راہداری میں بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۱۰۰ تھی۔ ۱۴/ اگست صبح ۱۰ بجے صبح راس الخیمہ کے لئے روانگی ہوئی۔ راس الخیمہ میں بھی چودھری رحمت اللہ بٹر صاحب نے خطاب فرمایا۔ یہاں پر حاضری تقریباً

۵۰ تھی۔ رات ہی وہاں سے شارجہ مرکز مراجعت ہوئی۔

۱۵/ اگست سوموار کے دن شارجہ مرکز کا مرکزی درس معزز مہمان نے دیا جس کا عنوان تھا "دین کے کام میں ناامیدی سے بچنا۔"

۱۶/ اگست کو معزز مہمان پھر ابوظبی تشریف لائے اور یہاں پر رفقاء سے صبر و استقامت کے موضوع پر گفتگو فرمائی۔ بعد ازاں ارکان شوریٰ ابوظبی تنظیم سے میٹنگ کی۔

۱۷/ اگست کو آپ پھر شارجہ تشریف لے گئے اور وہاں بھی ارکان شوریٰ کے ساتھ ایک مجلس کی۔

۱۸/ اگست کو معزز مہمان کی لاہور واپسی مقرر تھی' لہٰذا دبئ ایئرپورٹ پر محمد خالد صاحب اور دیگر رفقاء ایئرپورٹ پر خدا حافظ کہنے اور رخصت کرنے کے لئے گئے۔ اس طرح چودھری رحمت اللہ بٹر صاحب ناظم بیت المال و ناظم تربیت کا دورہ مکمل ہوا۔ یہ دورہ کئی لحاظ سے رفقاء نے مفید پایا اور رفقاء کے یہ تاثرات سننے کو ملتے رہے کہ اسی طرح گاہے بگاہے پاکستان سے معلم و مدرس یہاں آتے رہنے چاہئیں جن سے یہاں مقیم رفقاء و احباب مستفید ہوتے رہیں۔

(مرتّب : آصف علی رضوی)

☆ ☆ ☆

تنظیم اسلامی کراچی کا ماہانہ اجتماع

منعقدہ ۴/ نومبر ۱۹۹۴ء

ماہانہ اجتماعات تنظیم اسلامی کے معمول کا حصہ ہیں۔ ہر ماہ کے پہلے جمعہ کو مرکز سے جناب ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کراچی تشریف لاتے ہیں۔ ان کی آمد سے ہمارے پروگرام اگرچہ میں جان پڑ جاتی ہے اور اس کی افادیت بڑھ جاتی ہے۔ اس مرتبہ کا پروگرام ہلکا پھلکا تھا مگر تاثیر سے پُر تھا۔ جمعہ سے ایک دن قبل ایک رفیق کے گھر پر ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے فرائض دینی کے جامع تصور پر خطاب کیا تھا۔ راقم الحروف وہاں موجود نہ تھا لیکن متعدد رفقاء نے اس کے بارے میں اپنے بہت ہی اچھے تاثر کا اظہار کیا' جس پر راقم نے دل سے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے اس خلاء کو پُر کر دیا ہے جس کے لئے طبیعت بے چین رہا کرتی تھی۔ ان شاء اللہ اب چراغ سے چراغ جلیں گے اور یہاں اللہ کے دین کا بول بالا ہو کر رہے گا۔

ماہانہ پروگرام کی ابتداء تلاوتِ کلام پاک سے ہوئی۔ قاری مقبول صاحب نے تلاوت کی۔ اس کے بعد ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کو خطاب کی دعوت دی گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے اقامتِ دین کا کام کرنے والی جماعت اور اس کے افراد کے اوصاف قرآن مجید کے حوالے سے بیان کئے۔ آپ

نے فرمایا "دنیا اور سامانِ دنیا تو عارضی برتنے کی شے ہے، اصل شے تو وہ ہے جو اللہ کے پاس ہے جہاں ہر بشر کو پہنچنا ہے، جہاں کی زندگی ابدی ہے، وہ زندگی ایسی ہے جس کی شام کبھی نہ ہوگی۔ دنیا کا صحیح تصور ایک مجاہد کے ذہن میں، جو اقامتِ دین کا جہاد کر رہا ہو، واضح ہونا چاہئے۔ حضور ﷺ کی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا: جان لو، جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کی قیمت تمہارے دل میں اس سے زیادہ نہ ہو جائے جو آخرت میں اللہ کے پاس ہے۔ سورۃ الشوریٰ کی آیات کے حوالے سے فرمایا کہ "اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ خیر ہے اور وہ خیر ان لوگوں کے لئے ہے جو اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس پر ایمان پختہ رکھتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو بڑے بڑے گناہوں سے بچتے ہیں، فواحش سے کلی اجتناب کرتے ہیں اور جب کبھی غصہ آئے تو معاف کر دیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی پکار پر لبیک کہتے ہیں، ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں اور وہ اللہ کے عطا کردہ رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔ "اللہ کا رزق صرف پیسہ ہی نہیں، وہ تمام توانائیاں جو اللہ نے عطا کی ہیں رزق ہیں، ان کا مصرف اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ ہوں۔ اس گفتگو کے بعد چائے کا وقفہ ہوا۔

اس کے بعد ناظم حلقہ جناب نسیم الدین صاحب تشریف لائے، ان کی حیثیت حلقہ کی تمام تنظیموں کے نگران کی ہے۔ جس شخص پر ایسی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس کی مساعی بڑھ جاتی ہے، حس تیز ہو جاتی ہے، ہر گوشے میں اس کی نگاہ ہوتی ہے، وہ جہاں کمی یا کمزوری دیکھتا ہے بیان کرتا ہے اور توجہ دلاتا ہے، رفقاء کو تیز کرنے کی راہیں تلاش کرتا ہے، اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے ہر رفیق کو دعوت کے اس مقام پر دیکھے۔ وہ مالی کی طرح ایک ایک پودے کی رکھوالی کرتا ہے۔

ناظم حلقہ نے اپنی بات موت کی یاد، اس کی اہمیت، اس کا شدنی ہونا اور اچانک کسی بھی وقت کسی بھی شخص سے موت کا سابقہ پیش آ جانے سے شروع کی۔ یہ ایسی اٹل حقیقت ہے کہ جس سے بڑی کوئی حقیت نہیں۔ دن رات ہم اپنی آنکھوں کے سامنے یہ منظر دیکھتے ہیں۔ آج کل کراچی میں تو اس نے اپنا گھیرا تنگ کر رکھا ہے۔ بقول شاعر ؎

"قزاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقارہ"

آج کل یہ لوٹ مار کلاشنکوف کے برسٹ سے ہو رہی ہے۔ اس حقیقت کے بعد تو اہل کراچی کو رجوع الی اللہ میں سب سے آگے ہونا چاہئے تھا مگر لہو و لعب کے وہی انداز دیکھنے میں آ رہے ہیں، خوف ہے مگر خوفِ خدا نہیں!

ناظم حلقہ نے مقاصدِ زندگی کا ذکر کیا اور کہا کہ تمام مقاصد میں بلند ترین مقصد اقامتِ دین کے لئے جدوجہد، دعوت الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ یعنی اللہ کی راہ میں جان و مال کھپانا ہے۔

اس کام کے لئے جس نظم اور ڈسپلن کی ضرورت ہے ہمارے ہاں اس کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ انہوں نے الاخوان المسلمون کی مثال دیتے ہوئے ایک عبرت آموز واقعہ سنایا۔ رپورٹوں کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے کہا کہ یہی وہ بیرومیٹر ہے جس سے قوت اور ڈسپلن کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مطالعہ لٹریچر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ تحریک کا لٹریچر اس کے کارکنوں کے مطالعہ میں رہنا چاہئے' فکری ہم آہنگی' وابستگی اور جذبہ پیدا کرنے میں اس سے مدد ملے گی' گویا یہ ایک ایسا پاور ہاؤس ہے جس سے وابستہ رہنا تنظیمی حیات کے لئے انتہائی ضرورت ہے۔ ماہانہ اعانت میں باقاعدگی کی ضرورت کا احساس دلاتے ہوئے کہا کہ تنظیم کے تمام اخراجات رفقاء کے ایثار اور ان کی ادا کردہ اعانت پر چلتے ہیں' اس طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ آئندہ سال کی طرح یہ سال بھی ذاتی رابطہ کا سال ہے' لہٰذا اس کے لئے انفرادی ملاقاتوں کو دعوت کا ذریعہ بنایا جائے اور اس کی رپورٹ لازماً متعلق شخص تک پہنچنی چاہئے۔ دعوتی مقاصد کے لئے تنظیم نے جو کتابچے شائع کئے ہیں انہیں انفرادی دعوت کا ذریعہ بنایا جائے۔ اس راستے میں خوف کو رکاوٹ نہیں بننا چاہئے۔ خارجی خوف کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اصل خوف تو وہ داخلی خوف ہے جو آخرت کی جوابدہی سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ خوف انسان کی قوت عمل کے لئے محرک ثابت ہوتا ہے۔ خارجی خوف ایمان کی کمزوری کی علامت ہے اور داخلی خوف ایمان کی توانائی کی۔

انہوں نے خواتین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کا جذبہ قربانی ہی مردوں کو تن من دھن لگانے پر مجبور کرے گا۔ اس ضمن میں ان بہادر خواتین کا حوالہ دیا جو جنگِ احد میں اپنے جوش و جذبے سے تاریخ کے افق پر قیامت تک جگمگاتی رہیں گی۔ آخر میں سالانہ اجتماع کے موقع پر رفقاء کو سمع و طاعت کی ایک کمزوری پر توجہ دلائی۔ ناظم حلقہ کے خطاب کے بعد نماز جمعہ کی تیاری کے لئے وقفہ دیا گیا۔

خطاب جمعہ حسب معمول ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے کیا جو مہینے کا پہلا جمعہ کراچی میں ادا کرتے ہیں۔ انہوں نے بیعت سمع و طاعت فی المعروف کو اپنی گفتگو کا موضوع بنایا اور اسے ایک اسلامی جماعت کے لئے لازمی قرار دیا۔ حضور ﷺ کی سیرت سے اس کا حوالہ دیا اور پھر سمع و طاعت کی اہمیت کو جنگ احد کے حوالے سے اجاگر کیا۔ اگر کسی جماعت میں سمع و طاعت نہ ہو تو وہ محض ایک نظریاتی کلامی جماعت بن کر رہ جاتی ہے۔ کسی بھی مہم کو اس کے بغیر سر نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ اسلامی نظام کا قیام۔ اس کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اپنے سے کمتر آدمی اگر اس کا امیر بنا دیا جائے تو پوری آمادگی کے ساتھ اس کی اطاعت کی جائے۔ یہی نبی ﷺ کی تعلیم ہے اور آپ ﷺ نے اس پر بہت زور دیا ہے کہ تم پر اگر کالا حبشی بھی امیر بنا دیا جائے تو تم اس کی اسی طرح اطاعت کرو۔

(مرتب : نجیب صدیقی)

ضرورت رشتہ

لڑکی عمر ۲۱ سال' تعلیم انڈر ایف اے' ایک سالہ دینی کورس سے فارغ' خاندان رانا راجپوت۔ ذات پات کی قید نہیں۔ شادی سادگی سے کرنا چاہتے ہیں۔ تنظیم سے وابستہ خاندان کو ترجیح دی جائے گی۔

ضیاء الدین

فون: 7833949

KHALID TRADERS

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

IMPORTERS—INDENTORS—STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER—SMALL TO SUPER—LARGE

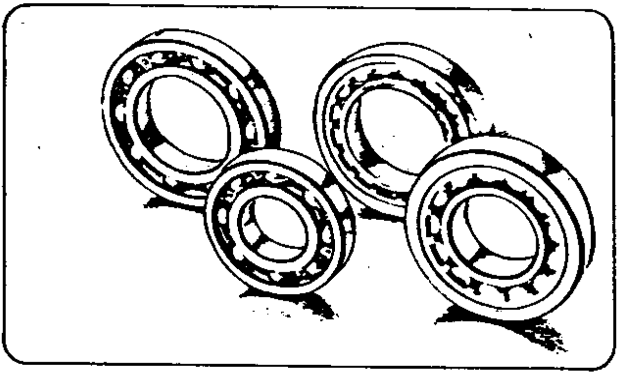

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : — 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے

سالانہ اجتماع کے بارے میں کراچی کی ایک رفیقہ تنظیم کے تاثرات

"لاہور میں سالانہ اجتماع ہو رہا ہے' چار روزہ تربیتی پروگرام بھی ہے" اس بات کا ہماری رفیقات میں ذکر ہوا۔ دل ہمارا بھی چاہا مگر سوچا کہ ابھی چند ماہ قبل ہی چھٹیوں میں لاہور گئے تھے' اب اجازت نہ ملے گی۔ مگر صاحب جب آب و دانہ کسی مقام سے اٹھ گیا ہو تو کوئی بھلا کب تک اس جگہ رہ سکتا ہے۔ لہٰذا اچانک صاحبزادی نے اطلاع دی کہ ابو نے اجازت دے دی ہے۔ بس پھر کیا تھا تیاری میں مصروف ہو گئے۔ چار سال قبل سفرِ حج کی یادیں تازہ ہو گئیں۔ گروپ کے ساتھ رہنے کے جو فوائد اور لطف تھے سب یاد آئے۔ ساتھ ہی نئے لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے میں جو مزاجی مشکلات ہوتی ہیں وہ بھی سامنے آئیں۔ الغرض ہلکا ہلکا خوف مگر انجانی سی خوشی تھی ان لوگوں سے ملنے کی جو ہماری طرح اس کشتی کے مسافر ہیں جو حالات کے مخالف رخ پر رواں دواں ہے اور جس کے امیر نے ایک ایسے رخ پر ناؤ ڈالی ہے کہ مسافروں کو یقین ہے کہ باوجود حالات کی بے یقینی کے یہی راہ منزل کو جاتی ہے۔ اور اگر خلوص نیت ہوا تو فلاح ان کا مقدر ہو گی۔

تحریکی جماعتوں کا اپنے قائد کے ساتھ کیا دلی تعلق ہوتا ہے اس کا بیان ممکن نہیں۔ فکری ہم آہنگی اور جذبہ تشکر مل کر داعی کے لئے جو مقام متعین کرتے ہیں وہ ماورائی نوعیت کا ہوتا ہے مگر ہماری تحریک کے ساتھیوں کا یہ حال ہے کہ جن طاغوتی نظریات و خیالات اور رسومات کو ہم نے ترک کیا ہے اور جن اصولوں پر عمل پیرا ہونے کی ہم کوشش کر رہے ہیں اس کے لئے عملی نمونہ ہم ان کی زندگی سے لیتے ہیں اور خود کو اس طرز زندگی سے میچ کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا اس وقت تو ان کی زندگی کا قریب سے مطالعہ کرنے کا موقعہ مل رہا تھا (کیونکہ امیر محترم لاہور میں اپنی فیملی کے ساتھ رہتے ہیں)

الغرض روانگی کا وقت آیا۔ ایئرپورٹ پر کراچی سے جانے والے چند اصحاب بھی تھے۔ یوں میں اور میری بیٹی اس چھوٹے سے قافلے کے ہمراہ لاہور پہنچے۔ لاہور میں قرآن اکیڈمی میں نماز جمعہ سے قبل امیر محترم کا خطاب تھا اور وہیں سے نماز عصر کے فوراً بعد خلافت ریلی کا آغاز ہونا تھا۔ خواتین کے لئے حلقہ خواتین کے آفس کے ساتھ ٹھہرنے کا انتظام تھا جس کا معاملہ اسی طرح

سادہ تھا جیسے حج پر گروپ کے ساتھ جانے والے افراد کا ہوتا ہے۔ شام کو موچی دروازے میں جلسے کا اہتمام تھا۔ اس سے قبل چائے پر امیر محترم کی اہلیہ محترمہ' بہوؤں بیٹیوں اور رفیقات سے ملاقات ہوئی۔ کچھ تنظیم کے مستقل اور پورے کے پورے وابستہ افراد کی شریکات حیات تھیں۔ سب خواتین دین کے ذریعے جلسہ گاہ میں گئیں' جہاں ان کے لئے علیحدہ باپردہ انتظام تھا۔ اس کے اندر سے جلسہ کی کارروائی سنی۔

جلسے تو کئی دیکھے بھے' سنے تھے۔ مگر اس دینی جلسے میں' اسلام کے نام پر الیکشن لڑنے والوں کے جلسوں کی طرح یہ عالم نہ تھا کہ تقریریں تو فحاشی و عریانی کے خلاف ہوں لیکن عمل کا یہ عالم ہو کہ مرد و عورت شانہ بشانہ بیٹھے ہوں اور اگر کہیں ایک حد بندی بھی ہو تو وہ بھی پردہ سسٹم کو قائم رکھنے اور اس کی مثال بننے سے یکسر قاصر۔ ذرا غور کریں کہ جو لوگ اسلام کے دعوے کریں وہی اگر عورت کو سجا بنا کر مرد کی دلبستگی کے لئے اس کے اردگرد پھیلا کر اس نظام کی دہائی دیں جو ان کی ہر بات کی نفی کرے تو ایسے میں تو یہ سوچنا پڑتا ہے کہ کیا ہم عقل سے پیدل ہیں یا کودن؟ کیا ہمارے یہ دانشور اتنا بھی نہیں جانتے کہ منطق کی رو سے "نقیضین ایک جگہ یکجا نہیں ہو سکتے۔"

خیر چھوڑیئے' ان پر وقت ضائع کر کے ہم اپنی منزل کیوں کھوٹی کریں۔ اپنے قافلے کی رفتار کے مطابق احتساب کے ساتھ چلتے ہوئے کھوے والی کامیابی کی طرف بڑھیں۔ خوب سے خوب تر بلکہ اتباع رسولؐ کے بلند ہدف کے حوالے سے اقامت دین کے لئے بلند تر طریقہ کار کو اپناتے ہوئے چلتے جائیں۔ انشاء اللہ ہماری زندگی میں نہ سہی اگلی نسلوں کو یہ کامیابی ضرور ملے گی۔

اگرچہ رات کے جلسے کی تھکان تھی (جو بعد نماز عشاء شروع ہو کر رات گیارہ بجے ختم ہوا تھا) مگر فجر میں شرکت سے گریز کا کوئی جواز نہ تھا' جب کہ عام جلسوں کے نعرہ باز شرکاء رات تھک جانے کے بعد صبح دیر تک سوتے ہیں' بلکہ دیر سے ہونے والے پروگرامز کا یہی مزاج ہے۔ مگر یہ قافلہ جس قائد کی سالاری میں چلا ہے اس نے اپنی فکر کو جس منبع سے مستعار لیا ہے اس میں تو فجر کے وقت کی اہمیت بنیادی ہے۔ موذن کے اس وقت کے اضافی الفاظ "الصلوہ خیر من النوم" (نماز نیند سے بہتر ہے) اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ وقت کتنا قیمتی ہے اور اس راہ کے مسافروں کے لئے اس کا کیا مقام و مرتبہ ہے!

نماز فجر سوا پانچ بجے ہوئی۔ خواتین نے بھی امیر محترم کی امامت میں نماز ادا کی۔ کمرۂ خواتین میں آواز لاؤڈ سپیکر کے ذریعے آ رہی تھی۔ امیر محترم کی امامت اور اس پر سونے پر سہاگہ سورہ الحدید کی طویل قرات (واضح رہے کہ یہ سورت پورے قرآن کا عمود ہے) سب مل جل کر ایک یادگار نماز فجر کی صورت حافظے میں مدتوں کے لئے محفوظ ہو گئے۔

نماز کے بعد ناشتہ کا دور چلا۔ ایک عدد انڈا' ایک بن اور چائے ---- سادگی کے ساتھ بھرپور

غذائیت سے آغاز (واضح رہے کہ انڈا دودھ کے بعد بہترین غذا ہے)۔ اللہ اللہ ایک طرف سادگی کا یہ عالم اور دوسری طرف ذہن ان تکلفات و لوازمات کی طرف منتقل ہوا جو ہمارے ایک طبقے میں راہ پا گئے ہیں جو چار' پانچ ستاروں والے ہوٹلوں کا دلدادہ ہے۔ ہم نے اپنے نبی کی سنت کو نہ اپنا کر کتنے نت نئے طریقے اختیار کئے ہیں جو انسانی فطرت سے مناسبت نہ رکھنے کی بناء پر کتنے سادگی پسند ذہنوں کو تکلفات کے بوجھوں میں دبائے رکھتے ہیں۔

اس سادہ اور غذائیت سے بھرپور ناشتہ کے بعد ہم تیار ہو کر بذریعہ وین قرآن کالج آئے' جہاں سالانہ اجتماع کے باقی پروگرام ہونے تھے۔ خواتین کے لئے قرآن آڈیٹوریم میں ایک پورشن اس طرح بنا ہوا تھا کہ پردے کا مکمل انتظام بھی ہے اور وہ اسٹیج پر تقریر کرتے ہوئے مقرر کو دیکھ بھی سکتی ہیں اور سن بھی سکتی ہیں۔ خواتین کے پورشن کے سامنے کے رخ پر اس طرز کا شیشہ ہے جو ایک سمت سے blind ہے۔ لہٰذا اس شیشے کے کمرے میں ہم نے پروگرام کا پہلا مرحلہ (نو بجے تا ڈیڑھ بجے) دیکھا اور سنا۔ درمیان میں چائے علیحدہ کمرہ میں پی۔ یوں صبح کی نشست برخاست ہوئی۔

نشست کے اختتام پر مرد حضرات نماز ظہر میں مصروف ہو گئے اور خواتین واپس قرآن اکیڈمی آئیں جہاں ان کے ٹھہرنے کا بندوبست تھا۔ قرآن اکیڈمی ہی میں امیر محترم کی رہائش مع فیملی ہے۔ ساتھ ہی کچھ رفقاء کی فیملیز بھی اسی احاطے میں رہتی ہیں۔ دوپہر کے کھانے میں وہی صبح والی سادگی تھی۔ ایک اضافی بات یہ کہ ایک ڈش تھی۔ یہ روایت ہمارے امیر کا طرۂ امتیاز ہے۔ اور وہ اس لئے کہ جس امیر الامراء کی وہ پیروی کرتے ہیں اور ہم کو' اپنے اہل و عیال کو اور رفقاء کو کروانا چاہتے ہیں اس کی سنت یہی تھی .... سادگی۔ لہٰذا روٹی اور ٹھنڈے گوشت کا یہ لطف اور اس کے ساتھ اس سنت سے وابستگی کی سرشاری میں کھانے کا اختتام ہوا۔ پھر نماز ظہر کے بعد بعض خواتین نے آرام کیا اور بعض نے باہمی تبادلہ خیال۔ اور پھر سب نے چائے پی۔

اجتماع کے دوسرے مرحلے کے لئے بعد عصر دوبارہ قرآن کالج گئے۔ اگرچہ اجتماع کی ایک بھرپور نشست مغرب کے بعد تھی لیکن بعض خواتین اس میں شریک نہ ہوئیں' چنانچہ ہم نے قرآن اکیڈمی واپس آکر نماز مغرب ادا کی' پھر کھانا کھایا اور بعد عشاء سونے کی تیاری کی۔

تیسرا دن بھی اسی طرح گزرا۔ چوتھے دن امیر محترم کے ساتھ کراچی اور لاہور کی خواتین کی میٹنگ تھی' چنانچہ ان کے گھر گئے۔ ان کی بچیوں اور بہوؤں سے ملاقات ہوئی۔ ان کے اہل و عیال کی سادگی' خلوص اور اتباع سنت نے بہت متاثر کیا۔ ان ماؤں کی گودوں میں ہر عمر کے بچے تھے' بچوں کے نام بھی زیادہ تر صحابہ کرامؓ کے ناموں پر تھے۔ میں سوچ رہی تھی کہ بیس پچیس سال بعد جب یہ نسل بڑی ہو گی تو اس ماحول میں تربیت پانے والے یہ بچے کتنے مختلف ہوں گے۔

یہ ان ماؤں کے بچے ہوں گے جو خود اپنے لئے امہات المومنین ؓ کی زندگی سے نمونہ لیتی ہیں اور ان کی پرورش صحابہ کرام ؓ کے طرز پر کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے "ان کی گودوں میں اسلام کا مستقبل ہے"۔ بیشک

؎ ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

یہ معاملے صبر طلب ہیں' محنت طلب ہیں' ہر لحظہ امتحان' ماحول کی آلائشوں سے ان پھولوں اور کلیوں کو محفوظ رکھنا کتنا کٹھن ہے یہ اس کی دیکھ بھال کرنے والے مالی کو پتا ہے۔ مخالف ماحول میں یہ صبر اتنا طویل ہو جاتا ہے کہ بے صبر دل ہمت ہارنے لگتا ہے۔

کہاں سے لاؤں صبر حضرت ایوب اے ساقی
خم آئے گا' صراحی آئے گی' تب جام آئے گا

مگر قرآن واضح طور پر کہتا ہے "اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" تو یہ تھی روداد اس چار روزہ تربیت گاہ کی۔ الغرض اس چار روزہ ساتھ کی یادیں لے کر ہم بعد عصر ایئرپورٹ پہنچے اور رات اپنے گھر واپس پہنچے۔۔۔ اور یوں ان تاثرات کو آپ تک پہنچانے کی سبیل ہوئی۔

از طرف
(فریدہ بنت اشتیاق)

31/16/36

آسان اردو ترجمہ قرآن کریم

ہر لفظ کا جدا جدا اور سلیس ترجمہ ⊙ ہر سطر مکمل

اُولٰٓئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⊙

اُولٰٓئِکَ	عَلٰی	هُدًی	مِّنْ	رَّبِّهِمْ	وَ اُولٰٓئِکَ	هُمُ	الْمُفْلِحُوْنَ
وہی لوگ	پر	ہدایت	سے	اپنا رب	اور وہی لوگ	وہ	کامیاب

وہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں ، اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔

○ برصغیر پاک و ہند میں تینوں مکاتب فکر اہل سنت و الجماعت' دیوبندی، بریلوی اور اہلحدیث علماء کا پہلا مشترکہ اور متفق علیہ ترجمہ
○ معمولی خواندہ بھی گھر بیٹھے کسی استاد کے بغیر اس کی مدد سے قرآن کریم سیکھ سکتا ہے۔

تین صورتوں میں دستیاب ہے: جدا جدا پاروں کا سیٹ ۲۷۰ روپے ، دس دس پاروں کی تین جلد کا سیٹ ۲۵۵ روپے ، ایک مکمل جلد ۲۴۰ روپے

اساتذہ اور طلباء کیلئے خصوصی رعایت

مسلم اکادمی ۱۸/۲۹ محمد نگر علامہ اقبال روڈ لاہور ۵۴۰۰۰

میثاق مدینہ کو اسلامی ریاست کے آئین کا حصہ قرار دینا غلط مبحث ہے

۴/ نومبر کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز

لاہور۔ ۴/ نومبر: ۔ میثاق مدینہ کو درمیانی مدت کا عارضی اور وقتی دستور تو قرار دیا جا سکتا ہے اس کو اسلامی ریاست کے مستقل آئین کی حیثیت ہرگز حاصل نہیں۔ یہ بات ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ اپنی بات کی وضاحت کے لئے ڈاکٹر اسرار احمد نے میثاق مدینہ کے متن کا حوالہ بھی دیا۔

قیام پاکستان کی جدوجہد کے حوالے سے امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ پاکستان کے قیام کے لئے لاکھوں جانوں اور عصمتوں کی قربانی محض اس لئے دی گئی تھی کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں اور انہیں ایک الگ ملک اس لئے درکار تھا کہ وہ اسلام کے مطابق وہاں زندگی بسر کر سکیں' بلکہ عہد حاضر میں اسلام کے اصول حریت اخوت اور مساوات کا ایک عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔ اور یہ اس وقت ہوا جب پوری دنیا میں مادہ پرستی' سیکولر نظام حکومت اور وطنی قومیت کا غلبہ تھا۔ گویا اسلام کی بنیاد پر علیحدہ قومیت کے حوالے سے پاکستان کا قیام دراصل پہلے دن سے عالمی سطح پر رائج تصورات کے یکسر خلاف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی یہاں دینی اور سیکولر طاقتوں کی رسہ کشی کا آغاز ہو گیا جو آج تک جاری ہے۔ ایک طرف مذہبی جماعتیں اور علماء کا طبقہ ہے جو یہاں اسلام کی بالادستی کا خواہاں ہے اور دوسری طرف جدید تعلیم یافتہ اور دانش ور حضرات ہیں جو سیکولرزم کے علمبردار ہیں اور جن کا ملکی معاملات میں اثر و رسوخ اس درجے ہے کہ حکومتی معاملات بالفعل انہی کے ہاتھوں میں ہیں۔ عوام کا معاملہ بین بین کا ہے' جذباتی لگاؤ اسلام کے ساتھ ہے مگر عملاً دنیاوی مفادات حاوی ہیں۔ اس رسہ کشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں مسلسل جمود کی کیفیت طاری ہے جو ملکی ترقی کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ یہاں دینی سیاسی جماعتوں کی غلط حکمت عملی اور پھر جنرل ضیاء الحق مرحوم کے نیم دلانہ اور معذرت خواہانہ اقدامات کی وجہ سے مذہبی طبقات کی سیاسی حیثیت بالکل ختم ہو کر رہ گئی ہے اور ملک بڑی تیزی سے سیکولرزم کی راہ پر چل نکلا ہے۔ ان حالات سے فائدہ اٹھا کر بعض دانش ور حضرات جو سیکولرازم کے حامی ہیں اب کھل کر اپنے لادینی نظریات کا پرچار کرنے لگے ہیں اور قائداعظم اور علامہ اقبال کو سیکولر ثابت کرنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ انہوں نے اسلام کی من مانی تاویلیں بھی کرنا شروع کر دی ہیں۔ ان میں علامہ اقبال کے فرزند ہونے کے ناطے ڈاکٹر جاوید اقبال خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ حرکت ہمارے نزدیک نہایت قابل تشویش ہے۔ وہ اگر یہاں اسلام نہیں چاہتے نہ سہی 'مگر اسے مسخ کرنے کی کوشش تو

نہ کریں۔ جہاں تک معمار پاکستان قائداعظم کا تعلق ہے انہیں اگر کوئی شخص سیکولر قرار دے تو میرے نزدیک اس کا کسی قدر جواز موجود ہے۔ تاہم نظریہ پاکستان کے لئے ان کا حوالہ دینا صحیح نہ ہو گا۔ وہ یقیناً ایک کھرے انسان تھے' انہوں نے کبھی مصنوعی طور پر مذہب کا لبادہ نہیں اوڑھا۔ مگر وہ ایک مدبر اور سیاستدان تھے۔ ان کے پیش نظر مسلمانوں کو ہندوؤں اور انگریزوں کی غلامی سے نجات دلانا تھا۔ احیاء اسلام کا کام ان کے پیش نظر نہیں تھا۔ اس لئے نظریات کا جہاں تک تعلق ہے ان کے لئے علامہ اقبال کا حوالہ لانا ہو گا جو مفکر و مصور پاکستان تھے۔ اور یہ کون نہیں جانتا کہ علامہ اقبال بیسویں صدی میں احیاء اسلام کے سب سے بڑے علمبردار تھے۔

انہوں نے کہا شخصیات سے بھی آگے بڑھ کر قرآن و حدیث پر طبع آزمائی میرے نزدیک سخت تشویشناک ہے۔ سیرت سے میثاق مدینہ کو بنیاد بنا کر پورے اسلام کے اصل تصور کی نفی کر دینا ایک بہت بڑی جسارت ہے۔ جبکہ میثاق مدینہ کی حیثیت اسلام کے انقلابی مراحل میں محض ایک وقتی حکمت عملی کی تھی۔ اسے اسلام کے ایک مستقل قانون کے طور پر پیش کرنا سوائے مغالطہ آمیزی کے اور کچھ نہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس انقلابی جدوجہد کے مراحل کے اعتبار سے مختلف اوقات میں مختلف فیصلے کئے گئے جن کی حیثیت محض عارضی اور وقتی ہوتی تھی۔ مکہ میں مسلمانوں کے لئے اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ اٹھانا منع تھا' جبکہ مدینہ میں مسلسل جنگیں لڑی جارہی تھیں۔ حدیبیہ میں بظاہر دب کر صلح کی گئی' لیکن ایک وقت آیا کہ مشرکین مکہ خوشامدیں کرتے رہے لیکن نبی ﷺ نے صلح کے معاہدہ کی تجدید فرمانے سے انکار کر دیا۔ ان میں سے کس کو آپ مستقل قانون کہیں گے؟ مزید بر آں میثاق مدینہ سے مخلوط قومیت کے لئے دلیل لانا بھی قطعی غلط ہے' اس لئے کہ اس کے پہلے جملے میں ہی واضح طور پر مسلمانوں کو ایک علیحدہ امت قرار دیا گیا ہے۔ اس بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ کفار کے بارے میں قرآن کا آخری اور ابدی حکم سورۂ توبہ میں آیا ہے جو ۹ھ میں نازل ہوئی تھی۔ اس کی ابتدائی آیات میں صاف اعلان کر دیا گیا کہ اب تمام سابقہ معاہدے منسوخ کئے جارہے ہیں۔ اس سورت میں واضح طور پر کفار اور مشرکین کے خلاف جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اسلامی ریاست میں بسنے والے یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے جزیہ ادا کرنے اور چھوٹے ہو کر رہنے کا حکم ہے۔ اس کی عملی صورت وہی تھی جو خلافت راشدہ میں صحابہ رضوان اللہ علیہم نے اختیار کی' یعنی اسلام قبول کر لو تو تم ہمارے برابر کے مسلمان ہو گے۔ یہ نہیں تو نظام اسلام کا ہو گا' اسلام کی بالادستی قبول کرو اور جزیہ ادا کرو۔ اس صورت میں ہر شخص کو اپنے اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی ہو گی۔ اور اگر یہ بھی نہیں تو پھر کھلی جنگ ہو گی' ہم بزور شمشیر اسلامی نظام قائم کریں گے۔ ہاں! یہ الگ بات ہے کہ مسلمان کمزور ہوں' دبے ہوئے ہوں' اتنی طاقت نہیں کہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے میدان میں آسکیں تو طاقت کے حصول

کی خاطر مہلت حاصل کرنے کے لئے وقتی طور پر کفار کے ساتھ معاہدہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن کفر اور اسلام کے مابین گٹھ جوڑ اور مستقل مفاہمت، یہ تو سرے سے اسلام کی نفی ہے۔

"پرامن اور منظم احتجاجی مظاہروں کے ذریعے کسی بھی نظام کو تلپٹ کیا جا سکتا ہے"

۱۱ نومبر کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز

لاہور ۱۱/ نومبر۔ صوبہ سرحد کے شمالی علاقوں میں نفاذ شریعت کے لئے جو لوگ خلوص کے ساتھ اپنی جان اور مال قربان کر رہے ہیں وہ یقیناً اللہ کے ہاں سرخرو ہوں گے اور یہ قربانیاں بالآخر رنگ لائیں گی۔ یہ الگ بات ہے کہ شریعت کے نفاذ کے لئے جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے اس کے باعث فوری طور پر شاید کوئی مثبت تبدیلی عمل میں نہ آسکے۔ وجہ یہ ہے کہ خلوص اور جوش و جذبے کی بلاشبہ اپنی جگہ بڑی اہمیت ہے لیکن جب تک اس جوش و جذبے کو منظم طور پر بروئے کار نہیں لایا جائے گا اس دنیا میں کامیابی حاصل ہونا محال ہے۔ ان خیالات کا اظہار ڈاکٹر اسرار احمد، امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت، پاکستان نے آج مسجد دارالسلام باغ جناح میں اپنے خطاب جمعہ میں کیا۔ انہوں نے کہا کہ تشدد کی راہ اپنانے کی بجائے پرامن اور منظم احتجاجی مظاہرے اس ضمن میں زیادہ موثر اور نتیجہ خیز ثابت ہوئے ہیں۔ اس کی ایک مثال ایرانی انقلاب ہے۔ انہوں نے کہا کہ انقلاب کے لئے قربانی تو بہرطور دینی پڑتی ہے لیکن اگر ایک انقلابی جماعت خود پرامن رہ کر بھرپور انقلابی مظاہروں کے ذریعے نظام کو چیلنج کرے تو کامیابی کے امکانات بڑھ جائیں گے۔ انہوں نے نفاذ شریعت کے ضمن میں حکومت کے تاخیری حربوں اور ناعاقبت اندیشانہ اقدامات کی مذمت کرنے کے ساتھ ساتھ اس اخباری اطلاع پر تشویش کا اظہار کیا کہ امیر تحریک صوفی محمد صاحب کی جانب سے ہتھیار ڈال دینے کے اعلانات کے باوجود بعض علاقوں میں مسلح جدوجہد ابھی تک جاری ہے۔ جس سے اندیشہ ہے کہ یہ تصادم کہیں پھیل کر قابو سے باہر نہ ہو جائے جو نہ صرف مزید قیمتی جانوں کے ضیاع کا باعث ہو گا بلکہ ملک کے لئے بھی خطرناک ثابت ہو گا جو پہلے ہی کوئی قابل رشک حالت میں نہیں ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اس سے قبل افغانستان میں لاکھوں جانوں کی قربانی دی جا چکی ہے۔ ان میں کثیر تعداد میں وہ لوگ شامل تھے جنہوں نے خلوص کے ساتھ صرف اور صرف اسلام کی خاطر اپنی جانیں قربان کیں۔ یہاں تک کہ دنیا کے کونے کونے سے مسلمانوں نے آکر افغان جہاد میں حصہ لیا۔ اس کے باوجود تاحال دنیا میں کہیں دینی قوتوں کو کامیابی حاصل ہوتی نظر نہیں آ رہی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ اسلام کے نفاذ کے لئے ہمیں اپنے سامنے بالعموم دو ہی راستے کھلے نظر آتے ہیں۔ یعنی الیکشن کا راستہ یا مسلح تصادم کی راہ۔ حالانکہ ایک تیسرا راہ بھی

موجود ہے اور وہ ہے عدم تشدد کا راستہ۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ اگرچہ میرے نزدیک طاقت حاصل ہونے پر حکومت کے خلاف مسلح بغاوت یا خروج حرام نہیں ہے لیکن تمدنی ترقی کے نتیجے میں حاصل ہونے والے تجربات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پرامن مظاہروں کے ذریعے کسی بھی نظام کا موثر طور پر مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ کسی ایک قیادت میں ایک منظم طاقت فراہم کی جائے جو عدم تشدد پر مبنی ایک احتجاجی تحریک شروع کر کے مروجہ سیکولر نظام کا راستہ روک دے۔ تاہم انہوں نے کہا کہ یہ عدم تشدد یک طرفہ ہو گا۔ حکومت جو کسی بھی نظام کی محافظ ہوتی ہے اس نظام کو بچانے کے لئے تشدد سے گریز نہیں کرے گی۔ لہٰذا جان اور مال کی قربانی تو یہاں بھی دینی پڑے گی مگر یہ قربانی اس سے کہیں کم ہو گی جو کیمونسٹ طرز کی چھاپہ مار کارروائیوں میں دینی پڑتی ہے اور یہ نتیجہ خیز بھی ہو گی۔ انہوں نے مثال دیتے ہوئے کہا کہ کشمیر میں ساٹھ ستر ہزار مجاہدین اب تک اپنی جانیں قربان کر چکے ہیں جس کا تاحال کوئی ٹھوس نتیجہ بر آمد نہیں ہوا' جبکہ ایرانی انقلاب میں کل دس بارہ ہزار جانوں کی قربانی نے شہنشاہ کو تخت چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

مسئلہ کشمیر کے بارے میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ایک بار پھر پاکستان کی ذلت آمیز ناکامی پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اس کا اصل سبب ہماری اپنی کمزوری ہے جو دراصل نتیجہ ہے قوت ایمانی کی کمی کا۔ اور یہ ایک آفاقی اصول ہے کہ "ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات"۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کمزور کا ساتھ کوئی نہیں دیتا۔ مسلم ممالک نے ایودھیا میں بابری مسجد کے جنونی ہندوؤں کے ہاتھوں انہدام پر کون سا رد عمل ظاہر کیا تھا جو اب کشمیر کے مسئلہ پر وہ ہمارا ساتھ دیں گے!!۔ جو خود آج امریکہ کے رحم و کرم پر ہیں جو پورے طور پر یہودیوں کا آلہ کار بنا ہوا ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے بھارت کی بے پناہ جنگی قوت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ افواج پاکستان کے اس بیان سے کہ اگر بھارت نے حملہ کیا تو اس کا منہ توڑ جواب دیا جائے گا' حالات کی بہت حد تک صحیح عکاسی ہوتی ہے۔ جو لوگ آگے بڑھ کر بھارت پر حملہ کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں وہ حقیقت پسندی کا مظاہرہ نہیں کر رہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ درست ہے کہ قوت ایمانی سے بڑی سے بڑی قوت کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے لیکن یہ ایمانی قوت ہو بھی تو سہی!! انہوں نے کہا کہ پاکستان اب بھی اسلام کا ایک مضبوط قلعہ ثابت ہو سکتا ہے اگر ہم صحیح معنوں میں یہاں اسلامی نظام نافذ کریں

چاہے پورا عالم اسلام مان لے' پاکستان اسرائیل کو ہرگز تسلیم نہ کرے

لاہور' ۱۸/ نومبر۔ امیر تنظیم اسلامی وداعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ چاہے سب عرب ممالک کیا پوری مسلم دنیا اسرائیل کو تسلیم کر لے' پاکستان تب بھی اسے

تسلیم نہیں کرے گا اور ہم اس سلسلے میں رائے عامہ کو بیدار رکھیں گے تاکہ کسی کمزور لمحے میں ہماری حکومت کسی دباؤ کے سامنے جھک نہ جائے۔ مسجد دار السلام باغ جناح میں اجتماع جمعہ سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہمارے سرکاری موقف کے بیک وقت دو متضاد مظاہر سامنے آئے ہیں۔ اقوام متحدہ میں ہمارے نمائندے نے کہا ہے کہ پاکستان کسی صورت اسرائیل کو تسلیم نہیں کرے گا جبکہ اسلام آباد سے وزارت خارجہ کے ایک ترجمان کا کہنا ہے کہ اگر فرنٹ لائن عرب ریاستیں اسرائیل کو تسلیم کرلیں تو ہم بھی اس پر غور کریں گے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی مرض ایسا پیدا نہیں کیا جس کا علاج نہ نکالا ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ اسے دریافت کرنے میں ہمیں دیر لگ جائے۔ اسرائیل کی ناجائز و منحوس پیدائش سے ایک سال پہلے مشیت الٰہی نے پاکستان کی ولادت باسعادت کا انتظام کیا۔ چنانچہ عالم اسلام میں اس صیونی ریاست کا توڑ صرف پاکستان ہے جو اسلام کے نام پر وجود میں آیا اور آئینی طور پر کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں قرارداد مقاصد کی شکل میں حاکمیت الٰہی کے اقرار اور عوام کے حق نیابت کو قرآن و سنت کی مقرر کردہ حدود کے اندر اندر استعمال کرنے کی پابندی کے باعث اصولی طور پر خلافت کا نظام طے شدہ ہے جسے عملاً نافذ کرنے کے لئے ایک انقلابی جدوجہد درکار ہے۔

ایک قومی اخبار میں شائع ہونے والے تحریک نفاذ شریعت کے سربراہ مولانا صوفی محمد کے انٹرویو کا حوالہ دیتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی نے بتایا کہ دو سال قبل وہ ان سے خود جاکر ملے تھے اور ان سے درخواست کی تھی کہ نفاذ شریعت کو علاقائی مسئلہ نہ بنائیں بلکہ اس سوال کو قومی سطح پر اٹھائیں جس کے لئے لاہور میں وہ خود انہیں ایک پلیٹ فارم مہیا کرکے دے سکتے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے انکشاف کیا کہ مولانا صوفی محمد کی اس پختہ رائے کو بھی انہوں نے بدلنے کی کوشش کی تھی کہ انتخابات میں حصہ لینا بلکہ ووٹ ڈالنا بھی حرام ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں خود انتخابی راستے کو پاکستان میں اسلام کے نفاذ کا ذریعہ نہیں مانتا' تاہم چونکہ ہمارا ملک آئینی طور پر ایک اسلامی ملک ہے لہٰذا ان لوگوں سے اختلاف تو کیا جاسکتا ہے جو نظام کی تبدیلی کے بغیر انتخابات کے ذریعے اسلام کا راستہ نکالنے کی امید رکھتے ہیں تاہم ان کے کام کو حرام کہنے کا کوئی جواز نہیں۔ اپنا تبصرہ جاری رکھتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ مولانا صوفی محمد خود بھی جماعت اسلامی کے رکن رہے ہیں اور اب اس جماعت پر ان کی شدید ترین الزام تراشی ہرگز کوئی پسندیدہ بات نہیں۔ جماعت کی قیادت پر جن لوگوں کا قبضہ ہوگیا ہے ان پر صوفی محمد صاحب کی فرد جرم صادق آسکتی ہے تاہم جماعت میں دین سے خلوص و اخلاص رکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد آج بھی موجود ہے جو حصول اقتدار کی کشمکش' مال سمیٹنے اور دھوکہ دہی میں شریک نہیں بلکہ اپنے کام کو اقامت دین کی جدوجہد سمجھتی ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ صوفی محمد صاحب کی اس جرات پر البتہ

خراج تحسین پیش کیا جانا چاہئے کہ انہوں نے اپنے علاقے میں بیٹھ کر وہاں کے فساد میں اپنی جانوں سے ہاتھ دھونے والوں کو شہادت کا مرتبہ الاٹ نہیں کیا' بلکہ تسلیم کیا کہ یہ قربانیاں ضائع ہوئی ہیں۔

دنیا میں تیزی سے رونما ہونے والی تبدیلیوں اور اس خطے میں نیو ورلڈ آرڈر کی پیش قدمی کا پس منظر بیان کرتے ہوئے جس میں پاکستان واقع ہے' ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ یہ دراصل اولاد آدم اور ابلیس کی ذریت کے درمیان ازل سے جاری کشمکش کا نقطۂ عروج ہے۔ انہوں نے کہا کہ قرآن مجید میں آٹھ مقامات پر قصہ آدم و ابلیس کسی نہ کسی انداز میں دہرایا گیا ہے جس سے اس معرکے کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے جو قیامت تک جاری رہنے والا ہے' ان دنوں اس میں گھمسان کا رن پڑا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ زمانہ خیر و شر کی کشاکش میں تیزی و تندی کا دور ہے اور ہمیں یہ شعور بیدار کرنے کی ضرورت ہے کہ کٹھ پتلیوں کی ڈور کون ہلا رہا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اصل مقابلہ سوا ارب مسلمانوں اور زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ کروڑ یہودیوں کے درمیان ہے جو پروٹسٹنٹ عیسائیوں سے راستہ لے کر اب کیتھولکس میں بھی جا گھسے ہیں اور نتیجہ یہ ہے کہ عیسائی جو یہودیوں کے اصل دشمن ہیں' صیہونیت کے ہاتھوں پوری طرح مفتوح ہو چکے ہیں۔ یہود نے دنیا کی مالیات پر قبضہ کر کے سود' کاغذی کرنسی اور مالیاتی اداروں کے ذریعے پہلے فرنگ کو اپنے شکنجے میں جکڑا اور علامہ اقبال خود دیکھ آئے تھے کہ فرنگ کی رگ جاں پنجہ یہود میں ہے اور اب وہ نیو ورلڈ آرڈر میں امریکہ کو واحد سپریم پاور بنا کر خود اس پر سوار ہو گئے ہیں۔

ضرورت رشتہ

"پردہ کی پابند اور صوم و صلوٰۃ کی پابند ۲۰ سالہ لڑکی ایف۔ اے کے لئے رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔ تاہم راجپوت خاندان کو ترجیح حاصل ہوگی۔ غیر اسلامی رسومات سے مجتنب اور اسلامی ذہن رکھنے والے گھرانے کو ترجیح دی جائے گی"۔

- C/ORana, P.O.Box167 C.C.843, Jeddah21231

لاہور میں مقیم تنظیم اسلامی کے ایک رفیق' عمر تقریباً ۲۵ سال' تعلیم گریجویشن' ۴۰۰۰ روپے سے زائد ماہوار تنخواہ پر برسرروزگار کے لئے صوم صلوٰۃ اور پردہ کی پابند' ٹیلی ویژن اور غیر اسلامی رسومات سے مجتنب' پڑھی لکھی عفت مآب کا رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں ہے

آر۔جی۔ مبارک معرفت : ادارہ "میثاق" ۳۶۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

خوشبودار کیمیکل

مختلف اقسام کے عطریات' اگر بتی' صابن وغیرہ کی صنعتوں کے لئے عوامی جمہوریہ چین سے خوشبو دار کیمیکل (پرفیومری' کیمیکل) در آمد کرنے کے خواہش مند حضرات رابطہ کریں۔

◎ ◎ ◎

ربی ٹریڈنگ کمپنی (پرائیویٹ) لمیٹڈ

پوسٹ بکس نمبر238' کراچی74200

نماز قائم کریں' اسی میں نجات اور سکون ہے۔

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

REG. No L. 7360
Vol. 43 No. 12
Dec. 1994

پاکستان کا سب سے زیادہ فروخت ہونے والا

قرشی

جوھر جوشاندہ

فلو، نزلہ، زکام اور گلے کی خراش کا مؤثر علاج

صدیوں سے آزمودہ جوشاندہ
اب فوری حل ہونے والے انسٹنٹ
جوھر جوشاندہ کی شکل میں۔
ترکیبِ استعمال: ایک کپ گرم
پانی یا چائے میں ایک پیکٹ
جوھر جوشاندہ ملائیں
اور جوشاندہ تیار۔
دن میں دو یا تین پیکٹ
جوھر جوشاندہ
استعمال کریں۔

تحقیق کی روایت
معیار کی ضمانت

قرشی

آسان استعمال
مؤثر علاج

Interflow